خورشید رسالتؐ

کی

پانچ کرنیں

آباد شاہ پوری

خورشید رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

کی

پانچ کرنیں رضی اللہ عنہ

آبادشاہ پوری

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

مطبوعات ایوسن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۷۶۷
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : خورشید رسالت کی پانچ کرنیں

مصنف : آباد شاہ پوری

صفحات : ۱۷۵

اشاعت : مئی ۲۰۱۰ء

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : ۵۰/- روپے

ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

ذی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

فون ۲۶۹۷۱۶۵۲، ۲۶۹۵۴۳۴۱ فیکس ۲۶۹۴۷۸۵۸

E-mail: mmipublishers@gmail.com

Website: www.mmipublishers.net

مطبوعہ : میکاف آفسٹ پرنٹرز، دہلی-۶

KHURSHEED RISALAT KI
PAANCH KIRNEIN (Urdu)
By: Aabad Shahpuri
Pages: 175
Price: Rs.50.00

حرفِ ناتمام

سرورِ دوجہاں ہادیٔ دوراں صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ ہدایت سے منور جن پانچ اصحاب ذی وقار کی زندگی پر مشتمل یہ پانچ مضامین جو کتاب کی صورت میں قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہیں، آج سے چند برس پیشتر اُس وقت لکھے تھے جب راقم ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور کی مجلس ادارت میں شامل تھا۔ ان پانچوں زندگیوں پر بعد ازاں مزید کام کیا اور اُسے موجودہ صورت دی۔ خیال تھا کہ ان تمام اصحابؓ رسولؐ پر اسی طرح کام کر کے اس کتاب میں شامل کیا جائے۔ عملی زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے دَور میں بھی لازوال مثالی نمائندے کی حیثیت رکھتے تھے اور آج بھی انھیں اسی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے، اس ضمن میں کام جاری ہے لیکن جیونٹی کی رفتار سے قافلۂ حیات بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھ چکا ہے اور قوتِ کار بھی مضمحل ہو چلی ہے۔ اہم تر فرائض اور ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد مزید کام کرنے کی قوت نہیں رہتی، اس رفتار کی روشنی میں مطلوبہ کام کے لئے کئی سال درکار ہیں اس لئے جتنا کام ہو چکا ہے اس کو کتابی شکل دی جا رہی ہے۔ اگر اللہ کی توفیق سے کبھی مزید کام مکمل ہوا تو اُسے دوسری جلد میں پیش کر دیا جائے گا۔

خیال تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اور رہنمائی نے جس قسم کے عظیم مثالی انسان تیار کئے ان پر دیباچے میں ہی کچھ روشنی ڈالتا، مگر پھر یہ سوچ کر کہ اس پر مزید کئی ماہ لگ جائیں گے، "حرفِ ناتمام" پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اردو زبان میں بہت وقیع کام پہلے سے ہو چکا ہے، دارالمصنفین اعظم گڑھ

(بھارت) کا سلسلۂ سیر الصحابہ اس میدان میں ہراول بنا۔ پاکستان میں جناب طالب ہاشمی نے اس کام کو نہ صرف مزید آگے بڑھایا بلکہ زبان و بیان اور تحقیق و تدقیق کی نئی شان دی۔ ان کاموں کے ہوتے ہی اس موضوع پر مختصر سا یہ نیا کام کسی اہمیّت کا حامل ہے یا نہیں اس کے بارے میں قارئین کرام ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ میرے پیشِ نظر حق پرستی، جانفروشی اور برّ و تقویٰ کے مثالی پیکرانِ جمیل کی عکاسی کر کے اس خیر و ثواب سے بہرہ ور ہونے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ جو ان پاکیزہ زندگیوں کا ذکر اپنے دامن میں رکھتا ہے وہ پاکیزہ زندگیاں جن سے بہتر زندگیاں انبیائے کرام کے بعد اس زمین پر نہ کبھی دیکھنے میں آئی ہیں اور نہ آئیں گی۔

۵۔ ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ
مطابق
۱۰ر جنوری ۱۹۸۴ء

آباد شاہ پوری
اسلام آباد

فہرست مضامین

اللہ کی تلوار
خالدؓ بن ولید
۷ ——— ۶۲

عظیم جرنیل
سعدؓ بن ابی وقاص
۶۳ ——— ۱۲۵

پہلے مبلّغ۔ پہلے علمبردار
مُصعبؓ بن عُمیرؓ
۱۲۶ ——— ۱۵۲

اسلامی ریاست کے محتسبِ اعلیٰ
محمد بن مسلمہؓ
۱۵۳ ——— ۱۶۴

ایک مثالی گورنر
سعیدؓ بن عامر
۱۶۵ ——— ۱۷۴

①

اللہ کی تلوار

خالدؓ بنِ ولید

خالدؓ نے جنگ اُحد سے حضرت عمرؓ کے عہد میں اپنی برطرفی تک اہم جنگیں لڑیں اور ایک جنگ بھی نہیں ہاری۔ وہ دُنیا کے دو عظیم ترین سپہ سالاروں میں سے ایک تھے۔ فتح نے ہمیشہ جن کے قدم چومے۔ دوسرا شخص چنگیز خاں تھا۔ وہ ان جنگوں میں بارہا زخمی ہوئے، لیکن شہادت کی تلاش میں رہنے کے باوجود اس سے بہرہ ور نہ ہو سکے اور بستر پر خود ان کے اپنے الفاظ میں "اس طرح مرے جیسے اُونٹ مرتا ہے" وہ جنگ میں مرتے بھی کیسے؟ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے انھیں "اللہ کی تلوار" کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ کسی کافر کے ہاتھ سے مارے جاتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک دشمنِ خدا نے اللہ کی تلوار کو توڑ ڈالا ـــــ جو ناممکن تھا۔

①

اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ۔ منادی نے مدینۃ النبی کے گلی کوچوں میں پکارا جس نے بھی سُنا اپنا کام کاج چھوڑ کر مسجدِ نبوی کی طرف چل پڑا۔ یقیناً کوئی اہم خبر آئی تھی۔ تین ہزار مسلمانوں کا ایک لشکر زیدؓ بن حارثہ کی کمان میں شام کی سرحدی ریاست بصریٰ کے حاکم کی طرف بھیجا گیا تھا، جس نے قاصدِ رسولؐ کو شہید کر دیا تھا۔ مدینہ کی چھوٹی سی نوخیز اسلامی ریاست کا اس عہد کی ایک عظیم عالمی طاقت کے ساتھ پہلا مقابلہ تھا۔ ہر شخص شام سے آنے والی خبروں کا بے چینی سے منتظر تھا۔ لشکرِ اسلام کی فتح و نصرت اور سرخروئی کی دعائیں شب و روز مانگی جا رہی تھیں۔

لوگ جمع ہو چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک سے برآمد ہوئے۔ مجمع پر سکوت چھا گیا۔ حضورؐ آگے بڑھ کر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ نگاہیں عقیدت و محبت کی پُر کیف دنیا سمیٹے روئے منوّر پر مرکوز ہو گئیں۔ حضورؐ کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں، لیکن آواز میں ہمیشہ کی طرح سکون اور وقار تھا۔ "تمہارے لشکر کی خبر ملی ہے۔" حضورؐ نے فرمایا۔ مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا۔ دِلوں کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔ "یہ لوگ روانہ ہوئے اور دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ زیدؓ شہید ہو گئے۔ پھر جعفرؓ نے اسلام کا پرچم اٹھایا۔ دشمن نے انھیں گھیر لیا۔ جعفرؓ مردانہ وار لڑے اور شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہؓ بن رواحہ نے پرچم اسلام لیا..." حضورؐ خاموش ہو گئے۔ دلوں میں گوناگوں وسوسے پیدا ہونے لگے۔ انصارؓ کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ "وہ بھی نہایت ثابت قدمی سے لڑے"، حضورؐ نے کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا۔ "اور شہید ہو گئے۔" انصار کے چہروں پر غم و مسرت کی ملی جلی لہر دوڑ گئی۔ "یہ سب حضرات بہشتِ بریں میں تختِ ہائے زریں پر متمکن ہیں۔" حضورؐ فرما رہے تھے۔ "پھر پرچم خالد بن ولیدؓ نے اُٹھایا، تنور خوب بھڑکا اور اُنھوں نے بگڑی ہوئی صورت حال کو سنبھال لیا۔ وہ اللہ کی

تلواروں میں سے ایک تلوار (سَیْفٌ مِّن سُیُوف اللہ) ہیں۔"

○

یہ جنگ موتہ ۸ھ کا ذکر ہے۔ خالدؓ کو حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے صرف تین مہینے ہوئے تھے، جب یہ جنگ پیش آئی۔ خالدؓ کی جنگی بصیرت اور قائدانہ صلاحیتوں کا بھرپور اظہار اسلام کے پرچم تلے پہلی مرتبہ اسی جنگ میں ہوا، بارگاہِ رسالتؐ سے اُنھیں سیفُ اللہ کا خطاب عطا ہوا۔ انھوں نے اپنے آپ کو اس خطاب کا پُورا پُورا اہل ثابت کیا۔ "اللہ کی تلوار" جس طرف کو نِکل گئی دشمن کے دِل بادل چھٹ گئے، فتح و نصرت قدم چومتی گئی اور باطل کی قوت و عظمت خاکستر ہو کر رہ گئی۔

خالدؓ سیف اللہ قریش کے ایک معزز خانوادے، بنو مخزوم کے چشم و چراغ تھے۔ بنو مخزوم اپنی تعداد، شجاعت و بسالت، سخاوت، دولت و ثروت، اصابت رائے اور جنگی ذہانت و صلاحیت میں پُورے قبیلۂ قریش میں ممتاز تھے اور انھیں اپنے اس امتیاز پر بیحد ناز تھا۔ وہ بنو ہاشم کی ہمسری اور اُن کے مقابلے میں قومی سیادت کے دعویدار بھی تھے۔ خالدؓ کے والد ولید بن مغیرہ کا شمار قریش کے ذکی و فہیم اور دانشمند لوگوں میں ہوتا تھا۔ نہایت فصیح البیان خطیب، دلیر اور صاحبِ عزم انسان تھا۔ قریش نے خانہ کعبہ کو گرا کر از سرِ نو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تو کعبے کی پرانی عمارت ڈھانے کا حوصلہ کسی کو نہ ہوتا تھا۔ سب ڈر رہے تھے کہیں قہرِ الٰہی نہ ٹوٹ پڑے، لیکن ولید نے کدال اٹھائی اور یہ کہہ کر عمارت منہدم کرنا شروع کر دی "ہم رایا! ہم یہ کام ارادۂ بد سے نہیں نیک ارادے سے کر رہے ہیں"۔ ولید حج کے موسم میں منیٰ میں تمام حاجیوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ منیٰ میں کھانا پکانے کے لئے آگ جلانے کی اجازت اُس کے سوا کسی اور کو نہ تھی۔ ایک سال تنہا خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتا اور دوسرے سال سب قریش مل کر۔ اپنے آپ کو نبوت کا حق دار سمجھتا اور کہتا قرآن تو مجھ پر نازل ہونا چاہیئے تھا۔ میں قریش کا بڑا آدمی اور سردار ہوں۔ ولید بن مغیرہ اپنے عہد کے سب سے متمول لوگوں میں تھا۔ سونے، چاندی، باغات، کاروبار، خدام اور باندیوں کا مالک۔ اسی بنا پر وحید اور ریحانۂ قریش کہلاتا تھا۔ سورۂ مدثر میں اسی کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۝

"چھوڑ دو مجھے اور اُس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سا مال اُس کو دیا، اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے[1] دیئے اور اس کے لئے ریاست کی راہ ہموار کی۔"

خالدؓ کے کئی چچا تھے سب با اثر اور ممتاز۔ ایک چچا ابو اُمیہ بن مغیرہ تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران میں حجرِ اسود نصب کرنے کا مرحلہ آیا تو قریش کے درمیان تلواریں تن گئیں۔ ہر خاندان کا اصرار تھا کہ وہ اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوگا ورنہ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ ایسی نازک اور پرخطر صورتِ حال میں ابو اُمیہ بن مغیرہ ہی کی فراست سے قریش ایک زبردست خانہ جنگی سے بچ گئے اور اس جھگڑے کا تصفیہ اس شخص کے سپرد کر دیا گیا جو اگلے روز سب سے پہلے خانہ کعبہ پہنچا اور وہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ خالدؓ کا ایک اور چچا ابو حذیفہ بن مغیرہ تھا یہ قریش کے ان چار سرداروں میں شامل تھا جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق حجرِ اسود نصب کرتے وقت چادر کا ایک ایک کونہ پکڑا تھا۔ ایک چچا فاکہ تھا۔ بڑا ہی سخی اور فیاض۔ اس نے ایک بیتِ ضیافت بنا رکھا تھا جس میں بارہ مہینے دسترخوان بچھا رہتا اور صلائے عام تھا جو چاہے آئے اور کھانا کھائے۔

ابوجہل عمر بن ہشام خالدؓ کا چچازاد بھائی تھا۔ بنو مخزوم میں دو افراد ایسے تھے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ ایک خالدؓ کے والد ولید دوسرے عمر بن ہشام۔ عمر بن ہشام کے لئے تو حضورؐ دُعا بھی مانگا کرتے تھے کہ خدایا اس کو یا عمرؓ ابن خطاب کو مسلمان ہونے کی توفیق بخش۔ یہ سعادت عمرؓ بن الخطاب کے نصیب میں آئی۔ وہ مسلمان ہوئے اور "فاروق" کہلائے۔ عمر بن ہشام اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں ساری حدیں پھاند گیا اور ابوجہل کے نام سے مشہور ہوا۔

فتحِ مکہ پہلے قریشی سردار تھے جنھوں نے قریش کے خانوادوں کو ایک مرکز پر مجتمع کیا

---

[1] ولید کے دس بارہ بیٹے تھے جن میں حضرت خالدؓ سب سے نامور تھے۔

اور مکّہ کی چھوٹی سی ریاست وجود میں آئی۔ وہ جب تک زندہ رہے انتظامی، عدالتی اور عسکری اختیارات ان کے ہاتھ میں رہے؛ تاہم ان اختیارات کو سب کے صلاح و مشورے سے استعمال کرتے۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے دارالندوہ تعمیر کیا، جہاں قرشی خانوادوں کے رئیس اور اصحاب الرائے مشورے کے لئے جمع ہوتے۔ اس اعتبار سے مکّہ ایک جمہوری ریاست تھی۔ قُصَیّ کے انتقال کے بعد حکومت کے یہ سارے شعبے اور مناصب مختلف خاندانوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ فوجی شعبہ چار مناصب پر مشتمل تھا جن میں سے دو اہم مناصب قُبّہ (فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال) اور اَعِنّہ (سوار فوج کی سپہ سالاری) بنو مخزوم کے سپرد ہوئے۔ یُوں تو قریش کا ہر قبیلہ جنگجو تھا، مگر ان مناصب کی بدولت بنو مخزوم کی جنگی ذہانت اور صلاحیت کو اور جلا مِل گئی۔ حربِ فجار میں قریش کی قیادت خالدؓ کے ایک چچا ہشام بن مغیرہ نے کی تھی۔ جنگِ بدر میں قریش مکّہ کی فوج میں ایک سو سوار تھے، ان میں تیس سوار بنو مخزوم سے تعلّق رکھتے تھے۔

خالدؓ کی والدہ لبابہ بنت حارث الہلالیہ تھیں۔ ام المؤمنین میمونہؓ، خالدؓ کی خالہ تھیں۔ ایک اور خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا عباسؓ کی زوجہ تھیں۔

یہ تھا وہ خاندان اور اس کی روایات جس میں خالدؓ نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے۔ بڑے ہوئے تو وہ ان ممتاز مناصب پر فائز ہوئے۔ علاوہ بریں سامانِ حرب اور جنگی گھوڑوں کی نگرانی اور دیکھ بھال بھی ان کے سپرد کر دی گئی۔ اسلام لانے سے پیشتر قریش کے جتنے معرکے مسلمانوں کے ساتھ ہوئے، ان میں نمایاں کردار ادا کیا۔

○

خالدؓ فوجی قائد کی حیثیت سے پہلی مرتبہ جنگ اُحد میں منظرِ تاریخ پر آتے ہیں۔ وہ قرشی فوج کے میمنہ (RIGHT WING) کے سالار تھے۔ انھیں کی جنگی بصیرت کی بدولت جنگ کا نقشہ پلٹ گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کا کیمپ فنِ حرب کے نقطۂ نظر سے نہایت محفوظ مقام پر نصب کیا تھا۔ یہاں پہاڑ نے خم و پیچ کھاتے ـــــ اور نیم دائرہ سا بناتے ہوئے ایک سنگین قلعے کی صُورت اختیار کر لی

تھی۔ سامنے وسیع میدان کی طرف بس اتنا راستہ تھا کہ اس کا دفاع بآسانی کیا جا سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کی صف بندی اس طرح کی کہ احد کا طویل تہ در تہ سلسلہ پشت پر تھا۔ بائیں پہلو میں صرف ایک درہ ایسا تھا جس سے دشمن اچانک حملہ آور ہو سکتا تھا۔ وہاں آنحضورؐ نے عبداللہؓ ابن جبیر کی کمان میں پچاس تیر انداز متعیّن فرما دیے اور انھیں ہدایت کر دی کہ اس طرف سے دشمن کو کسی صورت نہ آنے دیں۔ فتح ہو یا شکست وہ اس درے کو نہ چھوڑیں، حتیٰ کہ اگر دیکھیں پرندے ہمیں اچک کر لیے جاتے ہیں تب بھی اپنے مورچے سے نہ ہٹیں۔ میمنہ (LEFT WING) کے سپہ سالار زبیرؓ، میسرہ RIGHT WING مقدادؓ اور مقدمہ (VANGUARD) کے حمزہؓ تھے۔ مُصْعَبؓ بن عمیر علمبردار تھے۔ قریش سامنے کھلے میدان میں تھے۔ میمنہ پر خالد اور علکرمہ بن ابی جہل تھے۔ اکّا دُکّا مقابلوں کے بعد دونوں فوجیں ٹکرا گئیں۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ مسلمانوں کا پلّہ شروع ہی سے بھاری رہا۔ آخر کار کفّار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن مسلمان ان کا تعاقب کر کے ان پر ضرب کاری لگانے اور اپنی اس جزوی کامیابی کو فتح کامل کی شکل دینے کے بجائے مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔

درّے پر متعیّن تیر اندازوں نے جب دیکھا مسلمانوں نے میدان جیت لیا ہے، کفّار بھاگ نکلے ہیں اور اہلِ ایمان مالِ غنیمت سمیٹ رہے ہیں تو ان کی اکثریّت نے بھی مالِ غنیمت لُوٹنے کی طمع میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ عبداللہؓ ابن جبیر نے ہر چند روکا مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ صرف بیس آدمی ان کے ساتھ رہ گئے۔ خالد نے بھاگتے بھاگتے دیکھا درّہ خالی ہے۔ اپنے تین سو سواروں کو لیا اور پہاڑی کا ایک میل لمبا چکّر کاٹ کر درے میں پہنچ گئے۔ عبداللہ ابن جبیر اور ان کے ساتھیوں نے اپنی جانیں دے کر ان کو روکنا چاہا مگر بے سُود۔ درّے سے نکل کر خالد نے مسلمانوں کے عقب اور بائیں پہلو (LEFT FLANK) پر نعرہ لگاتے ہوئے حملہ کر دیا۔ نعرے کی آواز سنتے ہی دوسرے کفّار بھی بھاگتے بھاگتے پلٹ پڑے۔ مسلمان جو میدان میں منتشر ہو چکے تھے، ان کے نرغے میں آ گئے اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمانوں نے بدنظمی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہار دی اور انھیں سخت جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔

○

اس غور و فکر نے خالدؓ کے دل میں ایک کشمکش پیدا کر دی۔ ایک طرف اُن کا ماضی، اُس کی طویل جد و جہد، اس جد و جہد کے دوران میں چچا اور چچا زاد بھائی اور عزیز و اقارب کا قتل، اور آبا و اجداد کی روایات اور مذہب تھا، دوسری جانب یہ یقین کہ حق وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ ماضی اور قومی و مذہبی روایات سے انقطاع کوئی آسان کام نہیں ہوتا، اگرچہ وہ کتنی ہی بودی، مضحکہ خیز اور غلط ہوں۔ اس کے ساتھ اگر خون بھی شامل ہو جائے تو یہ مرحلہ اور بھی سخت ہو جاتا ہے۔ صلح کے اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔ اس وقت تک خالدؓ کے دل و دماغ میں یہ کشمکش برپا تھی اور کوئی فیصلہ نہ کر پائے تھے؛ چنانچہ مکہ سے نکل گئے اور جب تک حضورؐ مکہ میں رہے واپس نہ آئے۔

حضورؐ نے خالدؓ کے بھائی ولیدؓ سے جو آپؐ کے ہمراہ تھے، دریافت فرمایا: "خالدؓ کہاں ہیں؟ افسوس ہے ان جیسا فہیم و دانا آدمی اسلام سے بے بہرہ رہے۔ اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکین سے لڑتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔" ولیدؓ نے عرض کی — "حضورؐ خالدؓ کو اللہ ہی لائے۔" حضورؐ نے جو کچھ فرمایا تھا۔ ولیدؓ نے ایک خط میں خالدؓ کو لکھ بھیجا۔ اس خط سے انھیں آخری فیصلہ کرنے میں بڑی مدد ملی۔ خود کہتے ہیں:

"بھائی کے خط نے میرے دل پر پڑے ہوئے پردے چاک کر دیے۔ حضورؐ نے میرے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اس پر میری خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ میرا دل اسلام کی طرف راغب ہو گیا۔ انہی دنوں میں نے خواب میں دیکھا میں تنگ، ویران اور قحط زدہ آبادیوں سے نکل کر وسیع، سرسبز و شاداب اور پُر فضا شہروں میں آ گیا ہوں؛ چنانچہ میں نے مدینہ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔"

حتمی فیصلہ کر چکے تو خالدؓ اپنے قریبی دوستوں، صفوان بن اُمیہ اور عکرمہ بن ابی جہل سے الگ الگ ملے اور ان سے کہا: "تم لوگ دیکھ رہے ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب عجم پر غالب آ چلے ہیں اگر ہم ان کی اطاعت قبول کر لیں تو عزت و شرف انھیں حاصل ہونے کو ہے ہم بھی اس میں حصہ دار ہو جائیں گے۔" مگر ان کے باپ اور رشتہ دار بدر کی جنگ میں قتل

ہو چکے تھے۔ ان دونوں کا جواب تقریباً ایک ہی تھا۔ "خواہ ساری دنیا مسلمان ہو جائے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لائیں گے۔" پھر خالدؓ اپنے ایک اور دوست عثمانؓ بن طلحہ سے ملے۔ ان سے کہا: "ہماری مثال بھٹ میں چھپی ہوئی لومڑی کی سی ہے۔ بھٹ میں کثرت سے پانی ڈالا جاتا ہے تو اُسے وہاں سے نکلنا ہی پڑتا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں مسلمان غالب رہیں گے، پھر کیوں نہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو جائیں۔" عثمانؓ کا باپ، چچا اور چار بھائی جنگ اُحد میں مارے جا چکے تھے۔ خالدؓ نے بڑے تذبذب کے بعد اُن سے اپنے دل کی بات کہی تھی، مگر ان کا ردِ عمل بالکل غیر متوقع تھا۔ غالباً وہ خود بھی اسی اُدھیڑ بُن میں مبتلا تھے۔ انھوں نے خالدؓ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے روز دونوں دوست مدینے کی راہ پر رواں تھے۔ "ہدہ" کے مقام پر عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی اسلام لانے کا ارادہ کر کے حبشہ سے آئے تھے اور مدینے جا رہے تھے۔

تین خوش بخت جوانوں کا یہ قافلہ جب مدینۃ النبیؐ پہنچا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ حضورؐ نے فرمایا: "مسلمانو! مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہارے سامنے ڈال دیے ہیں۔"

○

خالدؓ کو مسلمان ہوئے تین ماہ گزرے تھے کہ موتہ کا معرکہ پیش آیا۔ اسلام کے پرچم تلے اس پہلی جنگ میں انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ شُرحبیل بن عمرو غسانی بزنطینی سلطنت کی طرف سے شام کے عرب علاقے کا گورنر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام ایک مکتوب حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ بھیجا تھا۔ شُرحبیل نے برافروختہ ہو کر حارث کو شہید کر دیا۔ سفیر کا قتل بین الاقوامی قانون کے مطابق جرم تھا اور کسی بھی حکومت کے وقار پر ایک سنگین حملہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارثؓ کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر شام کی طرف بھیجا جس کے سالار زیدؓ بن حارثہ تھے۔ روانگی کے وقت آپؐ نے ہدایت فرمائی: "زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب قیادت سنبھالیں، جعفرؓ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ۔ وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جسے چاہیں اپنا سردار بنا لیں۔"

اسلامی لشکر بلقاء کی سرحد پر معان پہنچا تو پتہ چلا ہرقل کا ایک عظیم لشکر (سوا لاکھ) موجود

کرک) کے نزدیک مقابلے کے لئے خیمہ زن ہے۔ مسلمان صرف تین ہزار تھے اور رومی دو لاکھ کے لگ بھگ، جن میں ایک لاکھ نصرانی عرب تھے؛ یہ وہ لشکر تھا جس نے کچھ مدت پہلے ایرانیوں کو زبردست شکست دی تھی۔ مسلمان معان میں مقیم دو روز تک صلاح مشورے کرتے رہے۔ اس عرصے میں رومی لشکر بڑھ کر مؤتہ پہنچ گیا جو بحیرۂ لوط کے جنوبی گوشے سے مشرق کی جانب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ ایک رائے یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جائے اور ان کے فرمان اور کمک کا انتظار کیا جائے۔ مسلمانوں کو تذبذب کے عالم میں دیکھ کر عبداللہؓ بن رواحہ اُٹھے اور بلند آواز سے پکارے:۔

"مسلمانو! تم شہادت کی طلب میں نکلے ہو۔ ہم لوگ تعداد اور طاقت کے بل پر نہیں لڑتے بلکہ اس دین کے لئے لڑتے ہیں جس کی طفیل ہمیں اللہ نے عزت و شرف سے نوازا ہے۔ لہٰذا اُٹھو، اپنی صفیں مرتب کر کے بڑھو اور دشمن سے ٹکرا جاؤ۔ دو نیکیوں میں سے ایک نیکی تو ضرور ہاتھ آئے گی۔ فتح یا شہادت۔"

اِس پُرجوش اور ایمان افروز تقریر سے مسلمانوں میں رُوح تازہ دوڑ گئی۔

مَعان سے آگے بڑھے اور موآب کے پہاڑوں کے دامن سے گزرتے ہوئے پچاس میل دُور مؤتہ کے وسیع میدان میں دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ایک ٹڈی دل تھا جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مسلمان اس کے مقابلے میں آٹے میں نمک تھے، لیکن قلیل التعداد ہونے کے باوجود وہ جان پر کھیل گئے۔ زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ سفید پرچم اُٹھائے لڑتے لڑتے دشمن کے نرغے میں آ گئے۔ اچانک ایک نیزہ لگا اور شہید ہو گئے۔ جعفر بن ابی طالب اپنے گھوڑے سے کودے اور بڑھ کر پرچم سنبھال لیا اب دشمن ان پر ہجوم کر رہا تھا۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گرا تو پرچم بائیں ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ کر گرا، مگر انھوں نے پرچم سرنگوں نہ ہونے دیا۔ دونوں کٹے ہوئے بازوؤں میں تھام لیا۔ شہید ہو کر گرے تو عبداللہ بن رواحہ نے بڑھ کر پرچم سنبھال لیا۔ شدید کشت و خون کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے۔

لڑائی بڑا نازک رُخ اختیار کر چلی تھی۔ مسلمانوں کے تین جرنیل یکے بعد دیگرے شہید

ہو گئے تھے۔ ان کی صفیں شکستہ ہو چلی تھیں۔ دشمن کا دباؤ شدید تر ہو گیا تھا۔ اُسے اپنی فتح صاف نظر آ رہی تھی۔ ایسی نازک حالت میں خالدؓ نے اسلامی لشکر کی قیادت سنبھالی۔ انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر ٹوٹی ہوئی صفیں از سرِ نو درست کیں۔ مسلمانوں نے جوش و حمیت کی روح پھونکی؛ چنانچہ وہ رومیوں کے سخت دباؤ کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ رات نے دونوں لشکروں کو الگ کیا۔ خالدؓ نے صورتِ حال کا مکمل جائزہ لیا۔ لشکر کی ترتیب بدلی، میمنہ کی جگہ میسرہ کو اور میسرہ کی جگہ میمنہ کو لائے اور نئے سرے سے صف آرائی کی۔ پھر مجاہدین کی خاصی بڑی تعداد فوج سے الگ کر کے دور فاصلے پر ایک طویل قطار میں کھڑی کر دی۔ رات بھر اسلامی لشکر میں نقل و حرکت ہوتی رہی تھی۔ اس سے رومیوں میں یہ تاثر پیدا ہو گیا کہ مسلمانوں کی کمک پہنچ گئی۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو دور فاصلے پر متعین لشکروں نے نعرے بلند کرنا شروع کر دیے۔ رومیوں کا یہ تاثر یقین میں بدل گیا کہ مسلمانوں کی مزید تازہ دم فوج آ پہنچی ہے۔ رومی مسلمانوں کی شجاعت، جوانمردی، سرفروشی اور قوتِ مدافعت خوب آزما چکے تھے اور بُری طرح زخم کھائے تھے۔ اس لئے انھوں نے میدان میں آنے سے گریز کیا۔ اب خالدؓ نے بڑے منظم طریقے سے اپنی فوج پیچھے ہٹانا شروع کی۔ رومی سمجھے مسلمان کوئی فوجی چال چل رہے ہیں اور انھیں کسی دام میں پھانسنا چاہتے ہیں؛ چنانچہ تعاقب سے باز رہے اور واپس چلے گئے۔ اس طرح خالدؓ اپنی ذکاوت و ذہانت اور خداداد فوجی صلاحیت سے کام لے کر مٹھی بھر مسلمانوں کو ایک بہت بڑی فوج کے نرغے سے نکال لائے؛ ورنہ جنگ نے جو رنگ اختیار کیا تھا ان کا تباہ ہو جانا یقینی تھا۔ پھر شاید مدینہ منورہ تک ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ رہتی اور مسلمان خود اپنے گھر کے اندر خطرے میں پڑ جاتے۔ ایسا خطرہ جس کے آگے جنگِ احزاب کا پیدا کردہ خطرہ ہیچ ہوتا کہ اب سامنا عرب قبائل سے نہیں اُس عہد کی ایک سُپر طاقت سے ہوتا ہے۔ اس جنگ میں خالدؓ کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔

مؤتہ کی جنگ کے بعد خالدؓ نے متعدد فوجی مہموں کی قیادت کی۔ فتح مکہ کے دن وہ مسلمانوں کے میمنہ (RIGHT WING) کی قیادت کر رہے تھے۔ غزوۂ ہوازن اور طائف میں مقدمۃ الجیش (VANGAURD) کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ بنو جزیمہ، بنو مصطلق اور دومۃ الجندل کی

کی مہموں میں بھی آپ ہی کمانڈر رہتے۔

②

خالدؓ کو جن کارناموں کے تابندہ نقوش سے عظمتِ جاوید ملی ان کا آغاز حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت سے ہوتا ہے۔ ابوبکر صدیقؓ جس وقت خلیفہ منتخب ہوئے مدینے کی اسلامی ریاست زبردست بحران میں گھر چکی تھی۔ عرب کے طول و عرض سے قبائل کی سرکشی اور ارتداد کی خبریں آرہی تھیں۔ اکثر قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس طوفان سے مکہ مدینہ اور طائف کے باشندوں یا گرد و پیش کے چند بدوی قبائل کے سوا اور کوئی قبیلہ محفوظ نہ رہا تھا۔ متعدد جاہ طلب پاکنڈھیوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے مدینے کی اسلامی ریاست کے مقابلے میں اپنا جداگانہ دینی و سیاسی مرکز قائم کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ دوسری طرف رُوم اور ایران کی فوجیں شام اور عراق میں جمع ہو رہی تھیں تاکہ مدینہ کی اُبھرتی ہوئی نوخیز قوت کو خطرہ بننے سے پہلے ہی کچل دیں۔ عرب کے داخلی خلفشار نے انھیں زرّیں موقع فراہم کر دیا تھا۔ اس بحران سے اسلام اور مسلمانوں کو کامیاب و کامران نکال لے جانے میں جہاں ابوبکر صدیقؓ کی ہمت و عزیمت، اٹل ارادے، ثبات و استقلال، توکل علی اللہ اور فراست و تدبر کا زبردست ہاتھ تھا، وہاں خالدؓ کی تیغِ جوہر دار اور جنگی صلاحیتوں نے بھی فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر مُوتہ کا انتقام لینے کے لیے شام بھیجنے کا ارادہ فرمایا، مگر ابھی یہ لشکر روانہ نہ ہو پایا تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ ابوبکر صدیقؓ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی پہلی فرصت میں اس لشکر کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ اور تمام اکابر صحابہؓ کی رائے تھی کہ ایسے پُرآشوب حالات میں کہ سارا عرب باغی ہو چلا ہے اور دارالخلافہ کا دفاع خطرے میں ہے، فوج کی روانگی ملتوی کر دی جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جس لشکر کے کوچ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے تھے ابوبکر اُسے کیسے روک سکتا ہے؟ اُسامہؓ شام کی سرحد پر پہنچے، اسلام کی قوت شوکت کا مظاہرہ کیا

اور ستر دن کے بعد بھاری مالِ غنیمت لے کر کامیاب و کامران مدینہ واپس آئے۔

اس اقدام کے دوسرے اثرات ہوئے۔ ایک طرف باغی قبائل اور مرتدین پر آشکارا ہو گیا کہ مدینہ کی ریاست اتنی طاقتور اور مضبوط ہے کہ ان کی بغاوت اور ارتداد کے باوجود رُوم ایسی عظیم طاقت سے ٹکرانے کا کس بل رکھتی ہے۔ دوسرے رُوم و ایران کی یہ خوش فہمی رفع ہو گئی کہ عرب کے داخلی خلفشار سے وہ کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اب ابوبکر صدیقؓ نے باغی قبائل، منکرینِ زکوٰۃ اور مرتدین کی سرکوبی کی طرف توجہ دی۔ گیارہ لشکر مختلف اطراف میں روانہ کیے۔ خالدؓ کو طلیحہ اور اُس سے نمٹنے کے بعد مالک بن نویرہ کی طرف بڑھنے کا حکم ہوا۔ طلیحہ بن خویلد اسدی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور بنی اسد، غطفان، عبس اور ذبیان کے قبائل اس کے پرچم تلے جمع ہو گئے تھے۔ خالد چار ہزار فوج لے کر نجد کی طرف بڑھے۔ خالدؓ اور عدی بن حاتم طائیؓ نے مذاکرات کے ذریعے بنوطے کی ایک بڑی جمعیت کو پہلے اسلام کے حق میں ہموار کر لیا ــــ بزاخہ کے مقام پر طلیحہ اسدی سے زبردست جنگ ہوئی۔ طلیحہ شکست کھا کر شام کی طرف بھاگ گیا۔ بے شمار لوگ مارے گئے۔ جو باقی بچے وہ تائب ہو کر اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

بزاخہ سے جنوب مشرق میں بنوتمیم اور بنوحنیفہ کے علاقے تھے۔ خالدؓ پہلے بنوتمیم کی طرف بڑھے جن کی قیادت مالک بن نویرہ کر رہا تھا۔ مالک بھوٹی نبیہ سجاح کے ساتھ مل گیا تھا۔ خالدؓ نے یہاں پھر مذاکرات کی طرح ڈالی اور بنوتمیم کی اکثریت کو بھی مالک بن نویرہ سے توڑ لیا۔ صرف بنی یربوع آخر وقت تک اُس کے ساتھ رہے۔ خالدؓ نے اُن سے جنگ کی اور مالک بن نویرہ کے بے شمار ساتھی مارے گئے اور وہ خود دوسرے باغیوں کے ساتھ قیدی بنا لیا گیا۔

علاقے میں مکمل امن و امان قائم ہو چکا تھا، تو خالدؓ کو بارگاہِ خلافت سے بنوحنیفہ کی طرف پیش قدمی کا حکم ہوا جن کی قیادت مسیلمہ کذاب کر رہا تھا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت میں مسیلمہ ذہانت و بصیرت اور جنگی قوت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا۔ صرف بنوحنیفہ میں اُس وقت چالیس ہزار جنگجو تھے۔ اُس نے سجاح کو شیشے میں اُتار کر اُس سے شادی رچالی۔ اس طرح بنوتمیم کا تعاون بھی کچھ عرصے کے لئے حاصل ہو گیا۔ مسیلمہ کذاب نے اسلامی عساکر کی دوسرے مرتدین سے زیادہ شدید

مقاومت کی۔ اُس کی طرف پہلے عکرمہ بن ابی جہل کی کمان میں فوج بھیجی گئی، لیکن اُس نے انھیں شکست دے دی۔ پھر مہاجر بن حسنہ کو بھیجا گیا، مگر انھیں بھی شکست سے دوچار ہونا۔ یمامہ کے مقام پر خالدؓ اور مسیلمہ کذاب آمنے سامنے ہوئے۔ کذاب کے ساتھ پچاس ہزار فوج تھی۔ مسلمان مقابلۃً بہت تھوڑے تھے، لیکن ان کی اصل طاقت ان کا دینِ حق پر ایمان اور اُس کی سربلندی کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ تھا۔ سخت کشت وخون ہوا۔ مسیلمہ کی فوجیں آغازِ جنگ ہی سے مسلمانوں پر زبردست دباؤ ڈال رہی تھیں۔ اِدھر جنوب کی سمت سے تند وتیز ہوا کا دہانہ کُھل گیا اور ریت کی بوچھاڑ مسلمانوں کے چہروں پر پڑنے لگی۔ اِس دوہری افتاد سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ بنوحنیفہ بڑھتے ہوئے ان کے کیمپ تک جا پہنچے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ مسلمان ایک جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف لڑ رہے تھے۔ کوئی عام فوج ہوتی تو جھوٹے نبی کا مسلمانوں پر دباؤ ڈالنے اور اُن کے قدموں کے اکھڑ جانے سے دلوں میں شک پیدا ہو سکتا تھا کہ کہیں یہ واقعی نبی تو نہیں ہے لیکن نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اللہ کے فضل وکرم نے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان اس قدر راسخ کر دیا تھا کہ کسی کو اس کا واہمہ تک نہ گزرا۔ وہ پسپا ہوتے ہوتے سنبھل گئے، ایک دوسرے کو آوازیں دیں کہاں جا رہے ہو؟ شہادت کی موت پر رسوائی کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ اور پھر ثابت بن قیسؓ کی آواز بلند ہوئی:۔۔۔ "اے مسلمانو! فرار کی یہ بُری عادت تم نے کیوں اپنائی ہے؟ اے اللہ! میں تیرے حضور اہلِ یمامہ کے دین سے اور جو کچھ ان مسلمانوں نے کیا ہے اس سے اعلانِ برأت کرتا ہوں"۔ پھر وہ بنوحنیفہ پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔۔۔ زید بن خطابؓ (حضرت عمرؓ کے بھائی) ابوحذیفہؓ اور خالدؓ نے بلند آواز سے آخر دم تک لڑنے کا عہد کیا۔ اُن کی آواز جہاں تک پہنچی مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے اور پوری قوت سے جوابی حملہ کر دیا اور دیوانہ وار لڑنے لگے۔ زیدؓ، ابوحذیفہؓ اور دوسرے بیسیوں مجاہد راہِ حق میں قربان ہو گئے، لیکن انھوں نے جنگ کا رُخ بدل ڈالا۔ مسلمانوں نے بنوحنیفہ کو نہ صرف اپنے کیمپ سے نکالا بلکہ انھیں دھکیلتے ہوئے اُن کے کیمپ تک پہنچا دیا۔ کئی گھنٹے شدید جنگ ہوتی رہی۔ خالدؓ نے محسوس کیا کہ جب تک مسیلمہ کذاب زندہ ہے بنوحنیفہ کی مزاحمت ختم نہیں ہو گی۔ وہ لشکر کے وسط میں کھڑا کمان کر رہا تھا۔ خالدؓ نے دشمن کے قلب پر زبردست دباؤ

ڈالا اور کذاب تک پہنچ گئے۔ معاوحشی نے اپنا نیزہ پھینکا۔ مسیلمہ زخمی ہو کر گرا اور ہلاک ہو گیا۔ اس کے مرتے ہی بنوحنیفہ کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ خاصی تعداد نے ایک باغ میں پناہ لی۔ جن کے اردگرد اونچی فصیل تھی۔

خالدؓ نے فوراً باغ کا محاصرہ کر لیا۔ براء بن مالک اور ابودجانہؓ باغ کے اندر کود گئے۔ ابودجانہؓ تو چند لمحوں ہی میں شہید ہو گئے۔ البتہ براءؓ نے باغ کا دروازہ کھول دیا اور اسلامی لشکر باغ میں داخل ہو گیا۔ گھمسان کی جنگ پھر شروع ہو گئی، آخر مرتدین کی اجتماعی قوت مزاحمت دم توڑ گئی اور وہ ایک ایک کر کے اس طرح مارے گئے کہ باغ کا نام ہی حدیقۃ الموت (موت کا باغ) پڑ گیا۔ اس جنگ میں بنوحنیفہ کے کل ساڑھے سات ہزار آدمی مارے گئے۔ مسلمانوں کا نقصان بھی تعداد اور ماہیت دونوں اعتبار سے کچھ کم نہ تھا۔ وہ پانچ ہزار میں سے بارہ سو شہید ہوئے۔ زخمیوں کی تعداد اور بھی زیادہ تھی۔ خلعتِ شہادت سے سرفراز ہونے والوں میں ۳۶۰ وہ مہاجر اور انصاری صحابہؓ تھے جنھوں نے بدر واحد اور خیبر وحنین کے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں بہادری اور سرفروشی کی داستانیں رقم کی تھیں۔ پھر ان کی بڑی تعداد حفاظ قرآن کی تھی۔ اب تک قرآن کی مختلف سورتیں مختلف حضرات کو یاد تھیں۔ اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ جنگوں میں حافظین قرآن اسی کثرت سے شہید ہوتے رہے تو قرآن سینوں ہی میں ضائع نہ ہو جائے؛ چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے قرآن کو جمع کرنے کے لئے کمیٹی مقرر کر دی۔

اس خوفناک جنگ کے بعد بنوحنیفہ کی قوت ٹوٹ گئی اور وہ از سرِ نو حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اس طرح خالدؓ نے چھ ماہ کے اندر اندر فتنۂ ارتداد اور جعلی نبیوں کے پاکھنڈ کا قلع قمع کر دیا۔ جو فوجیں مختلف جرنیلوں کی کمان میں یمن، حضرت موت، بحرین اور اومان بھیجی گئی تھیں انھیں نسبتاً بہت کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ فتنۂ ارتداد کے خلاف مہم کا آغاز جولائی ۶۳۲ء میں ہوا تھا۔ جولائی ۶۳۳ء تک اس فتنے کا پیدا کردہ انتشار ختم ہو گیا۔ اب پورا عرب تاریخ کا ایک نیا باب رقم کرنے کے لئے مدینہ کے پرچم تلے متحد ہو چکا تھا۔

(۳)

بنو حنیفہ کی اطاعت اور یمامہ میں امن و امان اور اسلامی اقتدار کی بحالی کے بعد خالدؓ کو عراق کی طرف بڑھنے کا حکم ملا۔ بحرین میں بنو بکر نے بغاوت کی تو فارسیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں باغیوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس وقت مثنیٰ بن حارث الشیبانی عراق سرحد پر ایرانی فوجوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے پر مامور تھے۔ انھوں نے بحرین کی بغاوت فرو کرنے میں نمایاں حصّہ لیا تھا۔ باغی اور ان کے فارسی اتحادی شکست کھا کر خلیج فارس کے ساتھ ساتھ شمالی علاقے میں جمع ہو گئے تھے۔ بحرین میں نظم و نسق کی بحالی اور امن و استحکام کے لئے اس علاقے کو باغیوں سے صاف کرنا ضروری تھا، لیکن اس سے فارس کے ساتھ براہ راست تصادم کا اندیشہ تھا اور مثنیٰ کے پاس صرف آٹھ ہزار فوج تھی۔ انھوں نے دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی۔ خالدؓ، ابوبکر صدیقؓ کے حکم کے مطابق مارچ ۶۲۳ء میں الحفیر (موجودہ الخفر) سے عراق کی طرف بڑھے[1]۔ الحفیر عراق پر حملہ آور ہونے کے لئے بقول گلب پاشا ایک مثالی جگہ تھی۔ یہاں (موجودہ اجبل شمّر کے علاقے میں قبیلہ طے سکونت پذیر تھا جو ضرورت کے وقت ہزاروں جنگجو افراد مہیا کر سکتا تھا۔ خالدؓ نے پیش قدمی کرتے وقت اپنی فوج کو تین کالموں میں تقسیم کیا۔ سب سے پہلے مثنیٰ بن حارثہ نے کوچ کیا۔ ایک دن بعد عدیؓ بن حاتم کی کمان میں فوج روانہ ہوئی۔ اس سے پہلے اگلے روز عاصمؓ بن عمرو اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ آخر میں خود خالدؓ ہر کالم کے ساتھ ایک بدرقہ (GUIDE) تھا۔ فارسیوں کے ساتھ پہلی جھڑپ کاظمہ کے مقام

---

[1] جان بیگیٹ گلب (پاشا) کا خیال ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ دو یا تین ہزار فوج ہوگی۔ وہ یہ اندازہ اس علاقے میں بدوی قبائل میں موجودہ آبادی اور وسائل کی بنیاد پر لگاتا ہے۔ اسی طرح وہ کہتا ہے کہ خالدؓ عراق کی طرف بڑھے تو پانچ سو یا ڈیڑھ ہزار فوج ان کے جلو میں تھی۔ گویا عراق پر حملہ کل ساڑھے تین ہزار فوج کے ساتھ ہوا۔

پر موجودہ کویت اور بصرہ کے درمیان خلیج کویت کے قریب ہوئی۔ فارسی فوج عرب قبائل پر مشتمل تھی۔ فارسی گھڑ سوار فوج کا ایک رسالہ بھی یہاں متعین تھا، لیکن فارسی سپاہی صحرا میں لڑنے کی اعلیٰ صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اصل مقابلہ فارس کی عرب فوج ہی نے کیا اور شکست کھائی۔ کاظمہ کا گورنر اور فارسی فوج کا سپہ سالار ہرمز، خالدؓ کے ساتھ دست بدست جنگ میں مارا گیا۔ اس کے مرتے ہی فارسی فوج بھاگ نکلی اور مسلمان رات گئے تک ان کا تعاقب کرتے رہے۔ (مارچ ۶۲۳ء)

دوسرا تصادم اُبلّہ کے مقام پر ہوا۔ یہ شہر دجلہ اور فرات کے دہانے پر اس جگہ واقع تھا جو آج کل شط العرب کہلاتا ہے۔ اُبلّہ ہندوستان کے ساتھ تجارت کی منڈی اور فارسی بحریہ کا مستقر (BASE) تھا۔

اہلِ شہر نے خراج دے کر صلح کر لی۔ اب خالدؓ صحرا کے کنارے کنارے آگے بڑھے اور فرات پار کر کے ولاجہ (موجودہ شنطہ) پر حملہ کیا۔ یہاں پر خبر ملی کہ فارسی افواج جمع ہو رہی ہیں۔ خالدؓ دریا عبور کر کے پھر صحرا کے کنارے پر آ گئے۔ اب ان کی نقل و حرکت کا یہی انداز رہا۔ فرات کے صحرائی کنارے کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتے اور موقع پا کر دریا عبور کرتے اور فارسی علاقے میں دور تک بڑھتے چلے جاتے، جب سنتے کہ فارسی افواج آ رہی ہیں، دوبارہ دریا کے اس طرف صحرا میں آ جاتے۔ اس اسٹریٹیجی کے دو بڑے مقاصد تھے۔ اوّل دریا پار فارس کے علاقے کی دیکھ بھال RECEE اور اس سے گہری واقفیت، دوم اصلی فارسی افواج کی لڑاکا قوت اور مزاحمتی صلاحیت کا اندازہ۔ گلب پاشا نے خالدؓ کی یلغار کے اس انداز پر بڑا عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: "مسلمان بحری قوت کی مانند تھے جو اپنے جہازوں میں سمندر میں دُور دُور تک گشت لگاتے پھرتے تھے جبکہ فارسی اور بزنطینی دونوں صرف ساحل (یعنی زرعی زمینوں) پر مورچے جما سکتے تھے۔"

خالدؓ نے ولاجہ سے واپسی پر صحرا کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ یہیں بنو تمیم کا ایک گھڑ سوار رسالہ قعقاع بن عمرو کی کمان میں ان کے ساتھ آ ملا۔ اب خالدؓ پیش قدمی کرتے ہوئے فرات کے کنارے اُلّیس پہنچے۔ یہ مقام موجودہ سماوہ کے مضافات میں تھا۔ یہاں بھی فارس کی حفاظتی فوج کا بڑا حصّہ مقامی عیسائی عرب قبائل پر مشتمل تھا۔ فوج کی کمان فارسی جرنیل جابان کے

ہاتھ میں تھی۔ یہاں پہلی مرتبہ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ آخر کار مسلمان فتحیاب ہوئے اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا (اپریل، مئی ۶۳۳ء) خالدؓ نے حکم دیا کہ بھگوڑوں کو قیدی بنانے کے بجائے قتل کیا جائے؛ چنانچہ تین دن تک قتل جاری رہا؛ تاہم مسلمانوں نے کسانوں اور دوسری تمام غیر مضافی آبادی سے کوئی تعرض نہ کیا۔ یہ وہ ہدایت تھی جو خلیفۂ اوّل ابوبکر صدیقؓ نے اپنی افواج کو شام اور عراق کی طرف بھیجتے ہوئے دوسری اور بہت سی ہدایات کے ساتھ کی تھی۔ اس ہدایت پر مسلمان افواج ہمیشہ عمل پیرا رہیں۔ یہ گویا ان کی روایت بن گئی ——— غیر مسلم علاقوں میں پیش قدمی کرتے اور لڑتے ہوئے وہ کبھی غیر مسلح لوگوں، بوڑھوں اور عورتوں اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ فارسی سپاہی اس جنگ میں اتنی بڑی تعداد میں مارے گئے کہ عرب وقائع نگار اسے "رود خون کی لڑائی" کہتے ہیں۔

اس سخت اقدام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ پورے سواد کے علاقے میں مسلمانوں کا دبدبہ بیٹھ گیا۔ وہ اُلّیس سے آگے بڑھے تو امغیشیا کا شہر خالی ہو چکا تھا۔ مقر اور فرات بادقلی کے مقامات پر فارسیوں نے پھر مزاحمت کی، لیکن جلد ہی راستہ صاف ہو گیا۔ مئی یا جون ۶۳۳ء میں خالدؓ اور اُن کے ساتھی، فارس کے دارالحکومت مدائن سے ایک سو میل سے بھی کم دُور، حیرہ کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ حیرہ فارس کے ماتحت، ملوک مناذرہ کا پایہ تخت تھا۔ ایاس بن قبیصہ الطائی اس کا گورنر تھا۔ وہ بھاگ کر مدائن چلا گیا۔ عرب عساکر کو یہاں پہلی مرتبہ ایک ایسے شہر سے واسطہ پڑا جس کے ارد گرد بلند بالا فصیل تھی۔ ان دیواروں کو سر کرنے کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ وہ محاصرہ کر کے بیٹھ رہے۔ گورنر کے بھاگ جانے سے اہل حیرہ کے حوصلے پست ہو چکے تھے، پھر دارالحکومت میں تخت و تاج کے لئے شاہی خاندان میں کشمکش جاری تھی۔ خسرو کو اس کے بیٹے سائرس نے اپنے اٹھارہ بھائیوں سمیت قتل کر ڈالا تھا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عظیم خسرو انوشیرواں کے اخلاف میں سے ایک ایک نرینہ فرد کو چن چن کر قتل کر ڈالا۔ مقصد یہ تھا کہ اُس کے مقابلے میں کوئی بھی تخت کا دعویدار نہ رہے، لیکن تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ، سائرس خود بھی تیغ کا شکار ہو گیا۔ اب تخت کے وارث کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ مرد تو کوئی رہا نہ تھا۔ نگاہ انتخاب ایک عورت پوران دخت پر پڑی اور سلطنت فارس کے امراء و

اعیان جو پہلے ہی مختلف دھڑوں میں بٹے ہوئے تھے اس مسئلے پر مزید انتشار کا شکار ہو گئے۔ ٹھیک اس زمانے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی زمام سنبھالی شاہی خاندان کے ایک لڑکے یزدگرد کا پتہ چلا، وہ پندرہ سولہ برس کا تھا اور جب سائرس شاہی خاندان کے مردوں کو تیغ جنا جُو کا چارہ بنا رہا تھا اُس کے بہی خواہوں نے اُسے چھپا دیا تھا، اُسے بادشاہ بنا دیا گیا۔ وہ خود کم سن تھا اور امرائے دربار باہمی چپقلش میں اُلجھے ہوئے تھے اور دارالحکومت سے کمک پہنچنے کی کوئی توقع نہ تھی۔ ادھر جنگ اُلّیس نے چاروں طرف خوف و دہشت پھیلا دی تھی اور عرب قبائل کا مورال اتنا پست ہو گیا تھا کہ انھیں فوری طور پر دوبارہ کسی بڑے مقابلے کے لئے میدان میں لانا یا طویل مزاحمت پر آمادہ کرنا مشکل تھا؛ چنانچہ حیرہ تنہا کھڑا تھا۔ خالدؓ نے الٹی میٹم دے دیا کہ وہ یا تو مسلمان ہو جائیں یا ایک دن کے اندر اندر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیں ورنہ بزور فتح کرنے کے بعد کسی کو زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ حیرہ نے پہلے تو قدرے جی داری کا مظاہرہ کیا، مگر ایک مختصر سی جھڑپ کے بعد اس کی مزاحمت دم توڑ گئی اور جزیہ دے کر صلح کر لی۔ (مئی ۶۳۳ء)

حیرہ فتح کرنے کے بعد خالدؓ نے مفتوحہ علاقے کا بندوبست کیا۔ شہروں پر فوجی گورنر مقرر کئے۔ عقب محفوظ کرنے کے لئے فوجی چوکیاں بنائیں جن کی کمان ضرار بن الازور، ضرار بن الخطاب، مثنیٰ بن حارثہ، ضرار بن مُقرّن اور قعقاع بن عمرو، بسر بن ابی رہم اور عتیبہ بن النہاس ایسے افسروں کو سونپی۔ انھیں حکم دیا کہ سواد کے زرخیز علاقے پر تاخت کرتے رہیں۔ مقصد سامان رسد کی فراہمی ہی نہ تھا بلکہ وہ اس طرح دشمن کو چین کا سانس لینے اور مزاحمت و مدافعت RESISTENCE AND DEFENCE کا منصوبہ سوچنے کی مہلت بھی نہیں دینا چاہتے تھے۔ یہ افسر حیرہ سے دجلہ تک کے پورے علاقے پر چھا گئے۔ جو شہر مزاحمت کرتے ان کی قوت سختی سے کچل دیتے، جو سامنا کرنے کے بجائے ہتھیار ڈال دیتے انھیں ذمی نہ بناتے تحریری معاہدہ کرتے اور ان کی روزمرہ کی زندگی میں کسی قسم کی مداخلت نہ کرتے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فرمان کے مطابق مسلمان فوج کا ایک اور کالم عیاض بن غنم کی کمان میں بالائی عراق سے حیرہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انھیں سرحدی چوکیوں پر سخت مزاحمت کا سامنا

کرنا پڑ رہا تھا۔ خالد حیرہ فتح کر کے عیاض کی مدد کو بڑھے اور ساری چوکیاں دشمن سے خالی کرالیں۔ اب خالدؓ اپنی جنگی حکمت عملی کے مطابق فرات کے مغربی کنارے آگے بڑھتے چلے گئے۔ صحرا ان کے بائیں ہاتھ پر تھا جہاں وہ کسی بھی نازک صورتِ حال میں غائب ہو سکتے تھے۔ ستمبر ۶۳۳ء میں اسلامی لشکر انبار پہنچا جو فارس کے دارالحکومت مدائن سے تقریباً چالیس میل شمال مغرب میں دریائے فرات کے مشرقی کنارے پر آباد تھا۔ بلند و بالا مضبوط فصیل اور چاروں طرف پھیلی ہوئی وسیع خندق نے اسے جنگی نقطۂ نظر سے بڑا مستحکم بنا دیا تھا؛ تاہم سخت محاصرے کے بعد خالد کی خداداد اعلیٰ صلاحیتوں کے آگے یہ قلعہ بند شہر بھی سرنگوں ہو گیا۔ (ستمبر ۶۳۳ء)

چند منزل جنوب کی طرف صحرا کی آغوش میں بنو تغلب کا مرکز عین التمر تھا۔ سجاح یہیں سے بنو تغلب کو لے کر مدینہ پر چڑھائی کے لئے نکلی تھی۔ بنی بکر کو بھی یہیں سے شہ ملی۔ نمر، تغلب اور ایاد کی زبردست جمعیت مسلمانوں کے مقابلے میں آئی مگر منہ کی کھا کر پسپا انداز ہو گئی۔

دسمبر ۶۳۳ء۔ عین التمر کے بعد حصید اور مصیح فتح کر لئے گئے۔ اس طرح وہ سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا جس میں عرب قبائل آباد تھے مگر جنھیں فارسیوں نے صدیوں سے محکوم بنا رکھا تھا۔ فارس کا لشکر فرات کے مشرق میں عراق عرب میں دھکیل دیا گیا۔ یہ عظیم فوجی کارنامہ صرف نو مہینے کے اندر اندر انجام پایا۔ مسلمانوں کو فارس کی عظیم فوجی طاقت ہی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا بلکہ جس علاقے میں یہ جنگی آپریشن کئے گئے، وہ آب و ہوا اور طبیعی اعتبار سے فوجی اجتماع اور نقل و حرکت کے لئے نہایت کٹھن تھا۔ برطانوی محکمہ دفاع نے جنگِ عظیم اوّل کے اختتام پر اپنی دفاعی تاریخ میں اس علاقے کی تصویر جن الفاظ میں کھینچی ہے اُسے ہم میجر جنرل محمد اکبر خاں کی کتاب سیف اللہ خالدؓ بن ولید سے مستعار لیتے ہیں:

"دنیا کے کسی دوسرے حصّے میں موسمی اور فضائی اثرات کا اثر شاید ہی اتنا شدید ہوتا ہو گا جتنا عراق پر ہوتا ہے۔ کبھی اچانک طغیانی آ جاتی ہے اور تمام علاقہ دلدل کی صورت اختیار کر لیتا ہے جہاں دفاعی و فوجی نقل و حرکت مشکل کیا ناممکن ہو جاتی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں تپش دن ہی کو نہیں رات کو بھی انتہائی شدید ہوتی ہے۔ سردیوں میں بارشوں اور طغیانیوں سے واسطہ پڑتا ہے

اور دن کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کسی وقت بھی بارش ہو سکتی ہے، کسی وقت بھی طغیانی آ سکتی ہے۔ ان حالات میں فوجی نقل و حرکت میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دریا کے کنارے کنارے سفر کیا جائے تو سایہ اور پانی میسّر آ جاتے ہیں، مگر مچھروں اور مکھیوں کا اتنا زور ہوتا ہے کہ الامان و الحفیظ۔ نیز یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ قدرتی طغیانی سے یا دریا پر دشمن کے بند باندھ دینے سے پانی کا رُخ اس سمت نہ بہہ نکلے اور فوجی کیمپ زیرِ آب آ جائیں۔ اور اگر دریا کے کناروں سے دور ہٹ کر سفر کیا جائے تو سایہ میسّر آتا ہے نہ پانی۔ پانی کی فراوانی اور کمی کی یہ مشکل سپہ سالار کے لئے کسی دوسری مشکل سے کم نہیں ہوتی۔ یہاں سڑکیں نام کو نہیں۔ قافلوں کے راستے آندھی اور بگولوں کے باعث مٹتے رہتے ہیں، کیونکہ ریت کے تودے اُڑ اُڑ کر اپنی جگہ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔"

خالدؓ فارس کے دارالحکومت کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے کہ مدینہ منوّرہ سے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فرمان پہنچا: مثنیٰ بن حارثہ کو حیرہ چھوڑ دیئے اور خود شام پہنچیے اور یرموک میں مسلمانوں سے جا ملیے، وہ لوگ مشکلات میں پھنس گئے ہیں، ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور ان کے زیرِ کمان لشکر بھی آپ کے ماتحت ہوں گے۔

(۴)

شام میں طوفان اُٹھ رہا تھا۔ جھوٹے نبیوں کی سرکوبی ہوتے ہی ۶۳۳ء کے موسمِ خزاں میں ابوبکر صدیقؓ نے عمروؓ بن العاص، یزید بن ابی سفیان اور شرحبیلؓ بن حسنہ کی کمان میں تین کالم مختلف اطراف سے شام روانہ کئے تھے۔ عمروؓ جنوبی فلسطین میں ایلہ (موجودہ عقبہ) کے راستے غزّہ کی سمت بڑھے۔ یزیدؓ نے تبوک کی راہ لی، انھیں ہدایت تھی کہ وہ پہلے شمال کی طرف اور پھر بحرِ مردار کے مشرقی جانب بڑھتے چلے جائیں۔ شرحبیلؓ نے مزید مشرق کی سمت ہٹ کر بصریٰ کا راستہ اختیار کیا۔ ہر کالم میں روانگی کے وقت تین ہزار مجاہدین تھے، بعد ازاں

اضافہ ہو کر یہ تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچ گئی۔ کچھ مدت کے بعد ایک چوتھا کالم ابوعبیدہؓ بن الجراح کی کمان میں بھیجا[1] اور انھیں چاروں افواج کا کمانڈر بنا دیا۔ انھوں نے دمشق جانے والا مشہور پرانا راستہ اختیار کیا۔

ابوبکرؓ نے جب بزنطینی سلطنت کی طرف افواج بھیجی تھیں، تو وہ یقیناً جانتے تھے کہ یہ محض صحرائی بدوؤں کے روایتی حملے نہیں ہیں بلکہ ایک ایسی سلطنت سے تصادم ہو رہا ہے جو اپنے پیچھے صدیوں کی عظمت اور قوت رکھتی ہے اور دنیا کی دو میں سے ایک "سپر پاور" ہے ــــ مخاصمت کا آغاز خود بزنطینیوں نے مسلمان سفیر کو قتل کر کے کیا تھا۔ مؤتہ کے مقام پر تصادم اور پھر اُسامہؓ کی لشکر کشی اسی حادثے کا نتیجہ تھی۔ دو قوموں کے درمیان ایک مرتبہ مخاصمانہ کشمکش چھڑ جائے تو پھر کسی فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچے بغیر رُکنے نہیں پاتی۔ کشمکش نہ بھی چھڑتی تو بھی بزنطینی اپنے پہلو میں ایک ایسی اُبھرتی ہوئی قوت کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے جو نظریاتی بھی تھی

---

[1] گلب پاشا حیرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس وقت خلیفۃ المسلمین کو جو قوت میسّر تھی اُسے انھوں نے پہلے تین اور پھر چار کالموں میں کیوں بھیجا پھر وہ خود ہی اس کی توجیہ کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ شاید صحرا میں پانی کے مقامات کم تھے یا سامان رسد کی سپلائی کا کوئی نظام نہ ہونے کی وجہ سے مختلف ٹکڑیوں میں بانٹ دیا تھا کہ اس علاقے میں سفر کرتے ہوئے ضروری رسد آسانی سے حاصل کر سکیں۔ ایک توجیہ وہ یہ بھی کرتا ہے کہ غالباً حاسد لیڈر ایک دوسرے کی کمان میں کام کرنے کو تیار نہ تھے۔ گلب پاشا کی آخری توجیہ تو اس لئے صریحاً غلط ہے کہ آگے چل کر مختلف میدانوں میں ان کمانڈروں نے ایک دوسرے کی کمان میں جنگیں لڑیں اور ان کی قبائلی رقابت، سنیارٹی یا گلب پاشا کے مزعومہ "حسد" نے کبھی کوئی مسئلہ نہ کھڑا کیا۔ البتہ پہلی دو توجیہات درست معلوم ہوتی ہیں ان سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فوجی ذہانت و بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ ان توجیہات کے ساتھ ساتھ ہماری دانست میں ابوبکر صدیقؓ کے سامنے وہ مقصد بھی رہا ہوگا جس کا ذکر اوپر اگلی سطور میں کیا جا رہا ہے یعنی وہ چہار شاخہ حملہ کر کے رُومیوں کی افواج شانہ بہ شانہ پر الگ الگ ضرب لگا کر انھیں کمزور کرنا اور بڑی جنگ لڑنے سے پہلے ان پر نفسیاتی طور مسلمانوں کی ہیبت طاری کرنا چاہتے تھے۔

اور شامی عربوں کے ساتھ جو فارس کے خلاف جنگوں میں بزنطینیوں کا ہمیشہ ہراول دستہ رہے تھے، نسلی اور لسانی رشتہ بھی رکھتی تھی۔ یہ اُبھرتی ہوئی قوت فارسیوں سے کہیں زیادہ خطرناک ہو سکتی تھی؛ ایسی قوت کے ساتھ مستقبل میں کسی وقت بھی وسیع پیمانے پر تصادم ناگزیر تھا۔ ایسے حالات میں کسی چھوٹی مملکت کی قیادت کے لئے جرأت و عزیمت پر مبنی فوری اقدامات کرنا ضروری ہوتے ہیں۔ سُود و زیاں کے اندیشوں میں مبتلا ہو کر تذبذب کا شکار ہو جانا اور قضائے مُبرم کی طرح ٹوٹ پڑنے والے خطرے سے آنکھیں بند کر لینا اپنی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ ابوبکرؓ شمالی سرحدوں پر رونما ہونے والے اس سیاسی عوامل کے عواقب سے باخبر تھے؛ چنانچہ انھوں نے بزنطینی سلطنت کی طرف سے حملے کا انتظار کرنے اور پھر دفاعی پوزیشن میں لڑنے کے بجائے خود پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بظاہر فوجی نقطۂ نظر سے یہ ایک حیران کن فیصلہ تھا جو ایک صحرائی بدوی مملکت کے حکمران نے کیا تھا، لیکن نتائج کے اعتبار سے صحیح ترین فیصلہ ثابت ہوا۔ دفاعی جنگ اپنے اندر بنیادی طور پر بڑے خطرات رکھتی ہے، خصوصاً ایک بڑی طاقت کی یلغار (OFFENSIVE) کے آگے کسی بونی مملکت کا کھڑا ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کسی چھوٹے ملک کے لئے بڑی دشمن قوت کے جارحانہ عزائم کو ناکام بنانے کی خاطر دفاعی اسٹرٹیجی اختیار کرنا اور محض دفاعی خطوط پر ہی اپنی افواج کو منظم اور ان کی ذہنی و عملی تربیت کرنا اپنے آپ کو دشمن کا نوالہ بنانے کی دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ دفاعی اسٹرٹیجی کو اپنا کر ایک ملک پہلے ہی قدم پر اپنے آپ کو جنگی منصوبہ WARSTARTEGY مقصد (OBJECT) عوامل (FACTORS) اور اُن سے اخذ کئے جانے والے نتائج (DEDUCTION) وسیع دائرہ عمل سے محروم کر کے محدود کر لیتا ہے اور دشمن کو وسیع میدانِ حکمت فراہم کر دیتا ہے۔ دفاعی حکمت عملی کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اکثر جنگ اپنے ملک کے اندر لڑنا پڑتی ہے اور ساری قوتیں دشمن کو اپنی سرحدوں سے نکالنے یا دور رکھنے کے لئے صرف کرنا پڑتی ہیں اور کوئی بڑی طاقت ایک بار کسی چھوٹے ملک میں داخل ہو جائے تو اُسے نکالنا بڑی حد تک ناممکن ہو جاتا ہے۔ دنیا میں جتنی جنگیں دفاعی منصوبہ بندی پر لڑی گئی ہیں اُن کے نتائج اکثر منفی نکلے

ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے پیشِ نظر یقیناً یہی پہلو تھے کہ انھوں نے دفاعی اسٹرٹیجی کو اپنا کر دشمن کے حملے کا انتظار کرنے کے بجائے اُسے دفاعی لڑائی لڑنے پر مجبور کر دیا۔

مسلمان افواج کے چہار شاخہ (FOUR PRONGED) نے بزنطینی قوت کو چار محاذوں میں تقسیم کر دیا۔ رومی علاقے میں داخل ہوتے ہی تصادم شروع ہوگیا۔ بزنطینی قدم قدم پر مزاحمت کر رہے تھے اور جیسے جیسے یہ کالم رُومیوں کو شکست دیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے مزاحمت شدید ہوتی جارہی تھی۔ ابتدائی چند جھڑپوں کے بعد بزنطینی ہر محاذ پر بھاری قوت لے آئے تھے۔ شہنشاہ ہرقل نے حمص کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا تھا جہاں سے وہ چاروں محاذوں پر ہونے والی جنگوں کی خود نگرانی کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شام بزنطینی سلطنت کے لئے بڑا اہم ہے، اگر ہاتھ سے نکل گیا تو نہ صرف مصر اور افریقہ کے بزنطینی مقبوضات خطرے میں پڑ جائیں گے، بلکہ بزنطینیوں کا اپنا علاقہ بھی محفوظ نہ رہے گا؛ چنانچہ وہ ہر قیمت پر شام کو بچانا چاہتا تھا۔ شدید مزاحمت سے مسلمانوں کی پیش قدمی سُست پڑنے لگی۔ یزید بن ابی سفیانؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ کی افواج ماورائے اُردن میں درعا کے مقام پر ایک دوسرے سے آملی تھیں۔ یہاں جبل دروز کے پہاڑوں اور دریائے یرموک کی گہری پہاڑی وادی کے درمیان گھاٹی میں ایک زبردست بزنطینی فوج نے راستہ روک رکھا تھا اور مسلمان کوشش کے باوجود اُسے راستے سے نہ ہٹا سکے تھے، اس طرح دونوں فوجیں کسی نتیجے پر پہنچے بغیر مکمل تعطل کا شکار آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ یہ تھی وہ صورت حال جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو شام پہنچنے کا حکم دیا۔

○

شام کی جنگوں میں خالدؓ کی حربی صلاحیتیں اور نکھر کر سامنے آئیں۔ وہ عین التمر (موجودہ نخلستان شطاطہ) سے مارچ ۶۳۴ء میں جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں دومۃ الجندل (الجوف) کے عیسائی عرب قبائل سے سخت مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ قبائل بار بار سر اٹھا رہے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی یہاں خالدؓ ہی کی کمان میں فوجی مہم (سریہ) بھیجی گئی تھی۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا ارادہ فرمایا تو بھی اس شہر کو زیر کیا گیا۔

پھر یہاں کا رئیس اکیدر بن عبدالملک مسلمان ہوگیا۔ لیکن جب ارتداد کی لہر اٹھی تو اُس نے بھی اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا اور جب خالدؓ نے عراق پر فوج کشی کی تو سخت مزاحم ہوا اور اس کی مزاحمت توڑنا پڑی۔ فارس اس قلعہ بند نخلستان کو اپنا علاقہ قرار دیتا تھا۔ مسلمانوں کی اُبھرتی اور بڑھتی، پھیلتی ہوئی قوت کے پیشِ نظر اُس نے یہاں اپنا گیریزن متعین کر دیا تھا؛ چنانچہ ایک بار وہ پھر سرکشی پر اُتر آیا تھا۔ خالدؓ نے پوری قوت سے اس کی سرکوبی کی۔ پُوری گیریزن کو تہ تیغ کیا۔ بنو تغلب کے شیخ جودی بن ربیعہ کو قتل کر دیا گیا۔ اکیدر بھی جنگ میں مارا گیا۔ یہاں نصرانیوں کی ایک بہت بڑی خانقاہ تھی۔ چالیس عرب لڑکے جو تعلیم حاصل کر رہے تھے، اس خانقاہ سے گرفتار کر لئے گئے اور انھیں مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔ اُنھیں میں نُصیر نامی ایک نوجوان تھا، افریقہ کا گورنر اور اسپین کا فاتح اور جرنیل مُوسیٰ ابن نُصَیر اسی کا بیٹا تھا۔ دومہ پر مسلمان گورنر مقرر کرنے کے بعد خالدؓ نے شمال مغرب کی جانب وادیٔ السّر کا رُخ کیا جو آج کل وادیٔ سرحان کہلاتی ہے۔ یہاں سے درعا کی تنگ گھاٹی میں بزنطینی افواج سے الجھی ہوئی مسلم فوجیں پانچ چھ دن کی مسافت پر تھیں اور جنرل گلب پاشا کے الفاظ ہیں "خالدؓ آسانی سے ان فوجوں کے ساتھ جا کر مل سکتے تھے۔" لیکن انھوں نے آسان راستہ چھوڑ کر جبل دروز (حوران) کے مشرق میں پھیلے ہوئے وسیع و عریض صحرا کا طویل راستہ اختیار کیا۔ گلب پاشا کا خیال ہے کہ اس طرح خالدؓ اچانک دمشق کو جا لینا چاہتے تھے۔ دمشق کو خطرے میں دیکھ کر بزنطینی اسے بچانے کے لئے درعا کی گھاٹی چھوڑ دیتے اور مسلمانوں کی پیش قدمی کا راستہ کھل جاتا۔ میجر جنرل محمد اکبر خانؒ اس عظیم مہم کے مختلف اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں کہ "خالدؓ فوق العادت فوجی نقل و حرکت کا یہ کارنامہ انجام دے کر حریف کو احساس کمتری میں مبتلا کرنا چاہتے تھے۔ پھر وہ حریف کے اس چوتھے پہلو کو چھیڑنے کا ارادہ رکھتے تھے جسے ناقابلِ گزر تصوّر کر کے ہرقل نے بے توجہی سے کسی بڑے محفوظ لشکر کے بغیر یونہی چھوڑ رکھا تھا۔ اس علاقے کے قبضے میں آجانے سے شکست کی صورت میں بھی اسلامی لشکر کا عقب محفوظ ہو جاتا تھا اور فاتحانہ پیش قدمی کی صورت میں رومیوں کا لشکر اسلامی لشکر پر اس طرف سے حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا۔ خالدؓ کو

یہ بھی امید تھی کہ اگر اس علاقے کے باشندے اسلامی لشکر کے مدد و معاون نہ بن سکے، تاہم انھیں غیر جانبدار رہنے میں ضرور کامیابی ہوگی"۔ یہ دونوں رائیں ماہرانہ فوجی تجزیے ہیں، تاہم اس میں شک نہیں کہ دنیا کی فوجی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا انتہائی دلیرانہ مگر خطرناک اقدام تھا۔

بادیۃ الشام جسے آج کل حمد HAMAD کہتے ہیں عرب کے ربع الخالی EMPTY QUARTER کے بعد سب سے زیادہ خطرناک صحرا ہے۔ یہاں کنویں نہ ہونے سے منزلوں پانی نہیں ملتا۔ برسات کا موسم ہو تو وادیوں میں بارش کے بعد پانی مل جاتا ہے، لیکن اب مارچ کا مہینہ جا رہا تھا اور برسات کا موسم بہت دور پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اس لئے ایسے پانی کی اُمّید نہ کی جا سکتی تھی۔ اس پر مستزاد یہاں تیز و تند جھکڑ اور ریت کے طوفان اُمڈتے رہتے ہیں، ریت ٹیلے آئے دن اپنی جگہ تبدیل کر کے زمینی مناظر بدل دیتے ہیں، شعلے برساتا سورج طلوع ہوتا ہے تو ریت چمکنے لگتی ہے اور آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی ہے۔ نقل مکانی کرنے والے چھوٹے چھوٹے بدوی قافلے تو اس صحرا کے کنارے کنارے بعض اوقات سفر بھی کرتے ہیں، لیکن تقریباً نو ہزار کا لشکر تاریخ میں پہلی بار صحرا کا سینہ چیرتے ہوئے گزر رہا تھا۔ صحرا کی سختیوں اور پانی کی نایابی کے پیش نظر اتنے بڑے لشکر کا صحیح سلامت گزرنا اور پھر وقت پر شام پہنچنا بظاہر ناممکنات میں سے تھا، تاہم خالدؓ نے اپنا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ قراقر کے کنویں پر جو آج بھی اسی نام سے موجود ہے، خالدؓ نے حکم دیا کہ ہر شخص پانچ پانچ دن کا پانی بھر لے۔ اونٹوں کو پچھلے کئی روز سے پیاسا رکھا گیا تھا، اب انھیں پانی پلانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ وہ تدبیر ہے جسے بدّو آج بھی طویل صحرائی سفر کے دوران کام میں لاتے ہیں، اب اونٹوں نے کئی دن کا پانی اپنی اوجھ میں بھر لیا تھا اور اسے تھوڑا تھوڑا استعمال کیا جا سکتا تھا۔

مارچ شروع ہو گیا۔ آگے آگے سامان سے لدے ہوئے اُونٹ اور شُتر سوار تھے اور ان کے پیچھے گھُڑ سوار مجاہدین۔ خالدؓ نے فوج کو سفر کے آغاز ہی سے ہلکا پھلکا رکھا تھا اور انتہائی ناگزیر ضرورت کا سامان پاس تھا۔ پانی کے مشکیزے، کھجوروں کے تھیلے، مختصر خیمے، چھاگل اور ہتھیار۔ مقصد یہ تھا کہ صحرا میں نقل و حرکت آسانی سے کی جا سکے۔ اسلامی فوج

شمال کی جانب حتی الامکان تیز رفتاری سے بڑھی۔ رافع بن عمیرہ طائی بدرقہ (گائیڈ) کی حیثیت سے خالدؓ کے ساتھ آگے آگے تھے۔ انھوں نے مدّت گزری ایک بار اس راستے پر سفر کیا تھا اور بدّوؤں کی مثالی یادداشت کے سہارے فوج کی رہنمائی کر رہے تھے۔ دُور نیلگوں اُفق تک ریت کا سمندر پھیلا ہوا تھا، سُورج کی شُعائیں پڑنے سے گاہے گاہے یُوں محسوس ہوتا موجیں امڈتی چلی آتی ہیں اور پھر ان موجوں سے خارج ہونے والی چمکا چوند سے آنکھیں مُندنے لگتیں۔ پہلے دن کا سفر ختم ہوا، رات گئے چند اونٹ ذبح کر کے ان کی اوجھ کا پانی جانوروں کو پلایا گیا۔ پانچ دن اسی انداز سے سفر جاری رہا اور سارا پانی ختم ہو گیا۔ فالتو اُونٹ بھی جو پانی حاصل کرنے کے لئے ساتھ تھے ذبح کئے جا چکے تھے۔ ہر طرف ریت ہی ریت تھی اور پانی اور سبزے کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ انسانوں اور جانوروں کی طاقت زائل ہوتی جا رہی تھی۔ رافع کی آنکھیں چمکتی ہوئی ریت میں کام نہیں کر رہی تھیں۔ اُنھوں نے لوگوں سے کہا: دیکھو یہاں کہیں آس پاس عوسج (بیلو) کی جھاڑی تو نہیں ہے۔ پانی اُسی کے قریب ملے گا۔ لوگوں نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، بہت سے لوگ عوسج کی تلاش میں صحرا میں خاصی دُور تک منتشر ہو گئے۔ لیکن جھاڑی کہیں نظر نہ آئی۔ رافع کی زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون جاری ہو گیا، پھر بولے: "میں نہ کہتا تھا کہ یہ راستہ دشوار گزار ہے، اگر عوسج کی جھاڑی نہیں ملتی تو تباہی مقدر سمجھو"۔ لشکر نے عوسج کی تلاش کے ساتھ ساتھ کوچ جاری رکھا، اگرچہ رفتار سست پڑ گئی تھی، قیام کے معنی موت کے تھے۔ حَمَد کا صحرا بالکل سپاٹ ہے، کہیں کوئی سبزہ اور درخت نہیں، نگاہیں میلوں دُور تک بے روک ٹوک چلی جاتی ہیں، عوسج کے دکھائی نہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ وہ جھاڑی گذشتہ برسوں میں طوفان کے ہاتھوں ریت میں دب چکی ہے۔ پورا لشکر مکمّل تباہی کے خطرے سے دوچار تھا۔ بے آب و گیاہ اور بے سایہ صحرا میں بھٹکنے اور پانی سے محروم ہو جانے والی چھوٹی بڑی حملہ آور ٹولیوں کی مَوت صحرائی زندگی کے خوگر انسانوں کے لئے کبھی غیر متوقع نہیں ہوتی، لیکن ہزاروں انسانوں پر ایسی مَوت کے سایے تاریخ میں پہلی بار منڈلا رہے تھے۔ چند میل کی مسافت لشکر نے یُوں طے کی جیسے وہ قدم بقدم موت کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ رافع نے ایک بار پھر عوسج ڈھونڈنے

کو کہا۔ لوگوں کی نگاہیں پہلے ہی اس کی تلاش میں تھیں، قدرے رُک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ آخر دور فاصلے پر عوسج نظر آگیا۔ اور صحرا اللہ کی کبریائی کے نعروں سے گونج اٹھا بھاگم بھاگ وہاں پہنچے رافع نے کہا: اس کی جڑ کے پاس گڑھا کھودو۔ کوئی گز بھر کا گڑھا کھُدا پایا تھا کہ چشمہ نکل آیا۔ اسلامی فوج تباہی سے دوچار ہوتے ہوتے بچ گئی تھی۔ مجاہدین نے خوب سیر ہو کر پانی پیا، اونٹوں اور گھوڑوں کو پانی پلایا، مشکیزے بھرے اور روانہ ہو گئے۔ اٹھارہ روز کے بعد خالدؓ اس خطرناک صحرا کو عبور کر چکے تھے۔

خالدؓ نے جو راستہ اختیار کیا تھا اُس کے بارے میں دشمن کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا، چنانچہ اسلامی لشکر جب سوئی (موجودہ نام بئر سبیا) پہنچا تو وہاں پر متعین فوج اور شہریوں نے عیش و طرب کی محفل جما رکھی تھی اور شاعر کہہ رہا تھا:

پیالہ و ساغر گردش میں رہنے دو
اور ہمیں شاد کام ہو لینے دو

خالدؓ اور اسلامی لشکر قلبِ صحرا کی اس بستی میں کیسے پہنچ سکتا ہے!! اچانک انھوں نے اپنے سروں پر تلواریں لہراتی دیکھیں، معمولی سے مقابلے کے بعد سوئی نے ہتھیار ڈال دیے سوئی سے آگے بڑھ کر خالدؓ نے اچانک پالمیرا کو جالیا اور وہ بھی کسی بڑی جنگ کے بغیر سرنگوں ہو گیا۔ پالمیرا سے خالدؓ نے مغرب کا رُخ کیا۔ اور زبردست جھڑپ کے بعد قرقیسیا پر قبضہ کر لیا۔ اب انھوں نے جنوب کی راہ لی۔ گلب پاشا کا خیال ہے کہ وہ دمشق پر دباؤ ڈال کر بزنطینی لشکر کی گرفت یرموک سے ڈھیلی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے دمشق کو پندرہ بیس میل پرے دائیں ہاتھ کی طرف چھوڑ دیا اور سیدھا جنوب میں مرجِ راحت کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ یہاں بزنطینی اور اسلامی افواج کے درمیان زبردست جنگ ہوئی (اپریل ۶۳۴ء) مسلمان مؤرخ کہتے ہیں اس جنگ میں خالدؓ کو فتح ہوئی، لیکن گلب پاشا اسے مشکوک دعویٰ قرار دیتا ہے۔ اس کی رائے میں مرجِ راحت پر انھیں پسپائی اختیار کرنا پڑی ورنہ وہ دمشق پر دباؤ ڈال کر درعا میں مجتمع بزنطینی لشکر کو وہاں سے ہٹنے اور دمشق کی فکر کرنے پر مجبور کر سکتے تھے، لیکن اس کے بجائے اُنھوں نے جناب کا رُخ

کیا۔ یہ مفروضہ اس بنیاد پر تو درست ہو سکتا ہے کہ خالدؓ صحرا کا اتنا لمبا اور خطرناک چکر کاٹ کر دمشق پر دباؤ ڈالنا چاہتے تھے، لیکن خالدؓ کی نقل و حرکت کا انداز صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان کی منزلِ مقصود دمشق نہیں تھی۔ وہ کسی بڑی جنگ سے پہلے بزنطینیوں کو بہوت کر کے ان پر نفسیاتی وار کرنا چاہتے تھے۔ یوں بھی خالدؓ دمشق کا محاصرہ کرتے تو بزنطینیوں کے گھیرے میں آنے کا خدشہ تھا۔ شمال میں حمص کے مقام پر بزنطینی شہنشاہ ہرقل خود موجود تھا اور اس آپریشن کی نگرانی کے ساتھ ساتھ دوسرا محاذ کھولنے کی تیاری کر رہا تھا۔ دمشق کا محاصرہ چند روز کی بات تو نہ تھی، ہرقل حمص سے خود فوج لے کر پہنچ سکتا تھا۔ اس طرح خالدؓ دمشق کی محصور فوج اور ہرقل کی فوج کے گھیرے میں آجاتے اور ان ایسے ذہین جرنیل سے ایسی فاش غلطی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ پھر مرجِ راحت کے مقام پر اگر خالدؓ کو شکست ہوتی تو بزنطینی فاتح فوج، شکست خوردہ فوج کا تعاقب کر کے اُس کو سخت نقصان پہنچاتی اور درعا کی طرف اس کی پیش قدمی مشکل بنا دیتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خالدؓ راستے میں کسی رکاوٹ اور نقصان کے بغیر درعا پہنچ گئے۔

مرجِ راحت سے بڑھ کر خالدؓ درّے کے شگاف پر پہنچے تو وہاں پر خیمہ زن بزنطینی لشکر فی الحقیقت دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ وہ اپنے عقبی پہلو کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے اور یہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ کوئی فوج صحرائے حمد کا سینہ چیر کر یہاں پہنچ سکتی ہے، دہشت زدگی کے اسی عالم میں وہ خالدؓ سے کوئی تعرض نہ کر سکے اور خالدؓ درعا کے شگاف میں سے جبل حوران کے دامن کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے گئے اور اسلامی لشکر سے جا ملے۔ ابوعبیدہؓ بن الجراح کو ابوبکر صدیقؓ نے شام پر یلغار کرنے والی چاروں فوجوں کا سپریم کمانڈر بنایا تھا، خالدؓ پہنچے تو ابوعبیدہؓ نے سپریم کمان خالدؓ کے حوالے کر دی۔ خالدؓ متحرک اور پچھلے نہ بیٹھنے والے جرنیل تھے۔ انھوں نے آتے ہی اُس جمود کو توڑ دیا جو درعا کے حصار BLOCKADE نے پیدا کر دیا تھا۔ انھوں نے ارد گرد کے علاقے میں فوجی کارروائیاں شروع کر دیں اور بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

اس دوران میں عمرو بن العاصؓ اپنے کالم کے ساتھ جنوبی فلسطین کی وادی عربات میں خیمہ زن تھے اور گرد و نواح کے سرسبز و شاداب میدانوں میں تاخت کر رہے تھے۔ بئر شیبہ ان کی اس علاقے میں آخری چوکی تھی، آگے جودیا کے پہاڑ اور سامریہ تھا جہاں جگہ جگہ گڑھیاں اور قلعہ بند شہر تھے، مختصر سی فوج کے ساتھ ان گڑھیوں اور قلعہ بند شہروں کے ساتھ الجھنا فوجی نقطۂ نظر سے دانشمندی نہیں تھی، چنانچہ وہ صحرا کے کنارے میدانوں ہی میں بزنطینی قوت پر ضربیں لگاتے رہے۔ شہنشاہ ہرقل حمص میں بیٹھا ساری جنگی صورتِ حال پر گہری نظر رکھے ایک نئی فوج تشکیل دے رہا تھا۔ بزنطینیوں نے درعا کے شگاف پر مسلمانوں کو کامیابی سے روک رکھا تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہ اُنھیں آگے بڑھنے نہ دیں گے۔ اب اُس نے بالکل وہی منصوبہ بنایا جو تقریباً بارہ برس پہلے (۶۲۲ء) فارس کے خسرو پرویز کے خلاف اُس وقت بنایا تھا جب فارسی فوجوں نے دمشق (۶۱۳ء) اور یروشلم (۶۱۴ء) پر قبضہ کرتے اور ایشیائے کوچک کو روندتے (۶۱۶ء) ہوئے دارالحکومت کی دیواروں تلے جا خیمے گاڑے تھے اور ہرقل خراج دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ چھ برس تک وہ داخلی خلفشار میں الجھا رہا۔ اس دوران فارسی فوجیں دارالحکومت پر زبردست دباؤ ڈالتی رہیں، تاہم اُسے اُس کی دیواروں کے استحکام اور ناقابلِ تسخیر ہونے پر اعتماد تھا۔ اپریل ۶۲۲ء میں اس نے ملک کا انتظام بطریقِ اعظم کے حوالے کیا اور خود زبردست بحری بیڑہ لے کر روانہ ہو گیا، درہ دانیال سے گزر کر خلیج انیگزرنڈیہ کے شمالی ساحل پر فوجیں اتار دیں، پھر کوہ طوروس کے تنگ درے کو عبور کیا۔ عدّز (ISSUE) کے مقام پر فارسی فوج کو شکست دی اور کپودوکیا CAPPODUCIA کے علاقے کو روند ڈالا اور فارسی فوج کے ذرائع مواصلات منقطع کر دیے جو خالیدون (CHALIDON) کے مقام پر خیمہ زن تھے۔ اب سردیاں آ گئی تھیں، ہرقل نے اپنی فوج کو دریائے ہیلز (HALYS) کے کنارے چھوڑا اور خود قسطنطنیہ لوٹ آیا۔

۶۲۳ء کا موسمِ بہار بزنطینی افواج کی نئی بلغار کا پیش خیمہ بن کر آیا۔ ہرقل نے

پانچ ہزار منتخب بہادروں پر مشتمل فوج ساتھ لی اور سمندر کے راستے روانہ ہوا اور بحرِ اسود عبور کر کے کوئی پانچ سو میل دور مشرق میں طربزون کے ساحل پر اترا اور اپنی بری فوج سے جا ملا جسے اُس نے سردیاں گزارنے کے لئے پچھلے برس کپادوکیا میں چھوڑا تھا۔ اب وہ آرمینا کی طرف بڑھا۔ اُسے فتح کر کے فارسیوں کو نینوا کے مقام پر شکست دی۔ اب سپہان ہرقل کی مار پر تھا، خسرو پرویز کو جب خبر پہنچی کہ خود اس کا دارالحکومت خطرے میں ہے تو اُس نے قسطنطنیہ سے فوجیں ہٹا کر بزنطین کا علاقہ خالی کر دیا۔ یہ ایک انتہائی کامیاب جنگی حکمتِ عملی تھی اور ہرقل نے اسے اب بقول کلب پاشا مسلمانوں کے خلاف آزمانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہرقل نے نئی فوج تیار ہوتے ہی طبریہ، ناصرہ اور قیساریہ کے راستے جنوبی فلسطین کی طرف روانہ کر دی۔ جہاں بئر شیبہ میں عمرو بن العاص جنگی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ سمندر پر اب بھی بزنطینیوں کی حکمرانی تھی؛ چنانچہ اس فوج کو قیساریہ اور یافا اور غزہ سے سامانِ رسد اور کمک پہنچ سکتی تھی۔ ہرقل کا منصوبہ یہ تھا کہ عمروؓ بن العاص کو شکست دے کر فوج ایلہ (عقبہ) کی طرف بڑھے اور مسلمانوں کے خطِ مواصلات (LINE OF COMMUNICATIONS) کو مکہ اور مدینے سے کاٹ دینے کی کوشش کرے۔ خطِ مواصلات خطرے میں دیکھ کر مسلمانوں کا لشکر درعا کو چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائے گا۔

حمص سے نئے بزنطینی لشکر کی جنوبی فلسطین کی طرف روانگی کی خبر یرموک میں مسلمان کمانڈروں کو ملی تو انھیں ہرقل کے نئے منصوبے کو سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی۔ وہ بڑی ہی کڑی صورتِ حال سے دوچار ہو گئے تھے۔ وقت تھوڑا تھا اور عمرو بن العاص کو تنہا نہ چھوڑا جا سکتا تھا۔ مختصر راستے آباد پہاڑوں سے ہو کر گزرتے تھے۔ یہ راستے نہ صرف دشوار گزار تھے بلکہ ان کی وادیوں اور میدانوں میں جگہ جگہ شہر اور دیہات پھیلے ہوئے تھے جن میں بعض قلعہ بند تھے۔ پھر دریائے اُردن بھی راستے میں پڑتا تھا۔ انھیں اختیار کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ بس ایک لمبا راستہ تھا جو اُردن کے پہاڑوں کے مشرقی دامن میں پھیلے ہوئے میدان سے گزرتا جنوب میں موآب (کرک) تک چلا گیا۔ یہاں درے میں سے گزر کر انھیں بحرِ مردار کے جنوبی ساحل کے ساتھ ہوتے ہوئے عین حصب اور وہاں سے وادیٔ عربات کے راستے بئر شیبہ

پہنچتا تھا۔ مسافت طویل تھی اور ذرا سی تاخیر بھی نہ صرف عمروؓ بن العاص کو مشکل میں ڈال سکتی تھی بلکہ وہ خود بھی دارالخلافہ مدینہ سے کٹ کر بزنطینیوں کے گھیرے میں آ سکتے تھے، لیکن یرموک کا محاذ چھوڑ کر جنوب کی طرف کوچ بذات خود خطرے سے خالی نہ تھا، واپسی کے سفر میں بزنطینی عقب سے حملے کر کے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا سکتے تھے۔ خالدؓ کی نگاہ یقیناً اس پہلو پر ہوگی اور اُنھوں نے ایسی کارروائیوں کا تدارک بھی سوچا ہوگا۔ بایں ہمہ ایک نتیجہ تو صاف ظاہر تھا۔ عمروؓ بن العاص کی امداد میں تاخیر ہو سکتی تھی۔ وقت کا عنصر ہمیشہ اہم ہُوا کرتا ہے۔ یہاں وہ فیصلہ کُن صورت اختیار کر گیا تھا، تاہم عقب سے حملے کر کے اسلامی لشکر کو نقصان پہنچانے یا اُس کی رفتار کم کرنے کا خیال کسی بزنطینی کمانڈر کو نہ آیا۔ غالباً اُنھوں نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ دمشق پر سے خطرہ ٹل گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے انھوں نے مسلمانوں کی واپسی کو ایک جنگی چال سمجھا ہو کہ اس طرح وہ انھیں یرموک کی وادی سے نکال کر کھلے میدان میں لانا اور دمشق کے لئے راستہ کھولنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ صورت تھی تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ بزنطینیوں کا ہی کو آرڈی نیشن اور مخابرات کا نظام کچھ زیادہ فعّال نہ تھا اور انھیں حمص سے جنوبی فلسطین میں دوسرا محاذ کھولنے کی اطلاع نہیں ملی تھی —

بہرصُورت وہ اپنے کیمپ میں مقیم اسلامی فوج کو جنوب کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

دونوں فوجوں میں دوڑ شروع ہو گئی تھی۔ ایک جانب سے تازہ دم بزنطینی افواج بئر شیبہ کی طرف بڑھ رہی تھیں اور دوسری جانب سے مسلمان درۂ موآب کی طرف مسلمانوں کے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ وہ دن رات سفر کر رہے تھے۔ درۂ موآب پر بزنطینی گیریژن متعیّن تھا۔ اسلامی افواج کو اچانک اپنے سروں پر دیکھ کر ان کے ہوش اُڑ گئے اور انھوں نے معاہدۂ صلح کر کے درہ کھول دیا۔ مسلمان درے میں گزرتے، وادیٔ عربات کو چیرتے نیم ریتلے میدان میں داخل ہوئے اور بئر شیبہ میں عمرو بن العاص سے جا ملے۔ ہلکے پھلکے، بے سروسامان پھرتیلے تُند سوار مسلمانوں نے اس دوڑ میں ہر لحاظ سے بھاری بھرکم بزنطینیوں کو مات دے دی تھی۔ جب وہ بئر شیبہ کے میدان سے گزر رہے تھے، بزنطینی افواج قیساریہ سے رملہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ خالدؓ نے مسلمان کمانڈروں سے مشورہ کر کے آگے بڑھ کر بزنطینی فوج سے

دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کیا۔

جولائی ۶۳۴ء میں رملہ اور بیت جبرین کے درمیان اجنادین کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ دو دن کی زبردست جنگ کے بعد بزنطینیوں کو شکست ہوئی اور ہرقل کا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو گیا۔ دُشمن کا صفایا کرنے کے بعد خالدؓ نے پھر فوجی بصیرت کا ثبوت دیا۔ اجنادین کی ہولناک شکست سے بزنطینیوں میں پورے علاقے میں افراتفری مچ گئی تھی۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خالدؓ نے آگے بڑھ کر یروشلم اور ساحلی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بجائے فوج کا رُخ درعا کی طرف موڑ دیا۔ وہ جانتے تھے کہ ابھی بزنطینیوں کی بھاری فوج صحیح سلامت موجود ہے۔ وہ اگر شام کے ساحلی علاقے کو اپنی تگ و دو کا ہدف بناتے تو پشت پر سے اس فوج کے حملے کا خطرہ تھا، پھر سمندر کی جانب سے بزنطینیوں کو مسلسل کمک پہنچ سکتی تھی اور مسلمان ایسی طویل لڑائیوں میں الجھ سکتے تھے جن کا آخری نتیجہ مختصر افرادی اور مادّی قوت رکھنے والی فوج کے حق میں شاید ہی نکلتا ہے، چنانچہ ایسی صورتِ حال کا شکار ہونے کے بجائے انھوں نے پہلے دارالحکومت دمشق اور شام کے شمالی علاقے اور اُردن پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحرائے حمد کے مغربی کنارے اور فیرا، ایدوم، موآب اور جلید کے پہاڑوں اور جبلِ شرقی کے درمیان پھیلے ہُوئے کاشت کردہ اور سرسبز علاقے پر قبضے کو مستحکم اور اپنے عقب اور دائیں پہلو کو محفوظ کر کے ساحلی علاقے میں کامیاب پیش قدمی کی جا سکتی تھی، چنانچہ عمرو بن العاص کو بئر شیبہ میں چھوڑ کر اسلامی افواج جتنی تیز رفتاری سے اجنادین پہنچی تھیں اُسی تیز رفتاری سے واپس درعا پہنچ گئیں (اگست ۶۳۴ء) وہ اجنادین کی فتح سے پیدا ہونے والے اثرات زائل ہونے سے پہلے درعا کے شگاف میں مضبوطی سے جمے ہُوئے بزنطینی لشکر پر ضرب کاری لگا کر دارالحکومت فتح کرنا چاہتی تھیں۔ اجنادین میں دوسری بزنطینی فوج کی تباہی سے بزنطینی فوج کا مورال بُری طرح متأثر ہُوا تھا، چنانچہ جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ آخر اگست کے اواخر میں زبردست لڑائی کے بعد بزنطینی افواج درعا سے پسپا ہو گئیں۔ دمشق کا راستہ کُھل گیا تھا جو صرف ۶۵ میل دور جبلِ شرقی کے دامن میں اپنی بلند بالا مضبوط دیوار اور

اور زبردست دفاعی استحکام کے ساتھ کھڑا مسلمانوں کی فوجی صلاحیتوں کو چیلنج کر رہا تھا۔

○

بزنطینیوں کے پسپا ہوتے ہی اسلامی افواج مارچ کرتی ہوئی دمشق کے جنوب میں حوران کے علاقے میں پہنچ گئیں۔ ستمبر کا آغاز ہو چکا تھا۔ دمشق تک پہنچنے میں اب صرف گڑھی مرج الصفر حائل تھی۔ اسی اثنا میں بزنطینیوں نے نیا اقدام کیا۔ اجنادین سے پسپا ہو کر وہ یروشلم اور قیساریہ چلے گئے تھے اور قلعوں کو مضبوط بنانے میں مصروف تھے۔ ایک فوج انھوں نے درعا کے جنوب میں فحل (PELLA) کے قلعہ میں پہنچا دی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ فحل کو مستحکم کر کے اسلامی افواج کے خطِ مواصلات کو کاٹ دیا جائے جو اب شمال میں دمشق کی طرف بڑھا جا رہی تھیں۔ مسلمانوں نے خطرے کو فوراً بھانپ لیا، چنانچہ انھوں نے دمشق کی طرف بڑھنے سے پہلے بزنطینیوں سے اس اہم مقام کو چھین لینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ فحل کی طرف بڑھے۔ شہر سے باہر بزنطینی فوج سے خونریز جنگ ہوئی۔ کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ شہر فتح کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر محصورین نے مذاکرات کر کے صلح کر لی۔ (جنوری ۶۳۵ء)

عقب محفوظ ہونے کے بعد اسلامی افواج حوران سے دمشق کی طرف بڑھیں۔ فروری ۶۳۵ء میں مرج الصفر کے مقام پر بزنطینی افواج سے مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ بھاری نقصان اٹھا کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اور مسلمانوں نے مارچ ۶۳۵ء کے وسط میں دمشق کا محاصرہ کر لیا اگرچہ دمشق کی سردی صحرا کے باشندوں کے لئے ناقابلِ برداشت تھی، تاہم مسلمانوں نے محاصرہ جاری رکھا۔ آخر ستمبر ۶۳۵ء میں شام کا دارالحکومت بھی سرنگوں ہو گیا۔ اب مسلمان حمص کی جانب بڑھے۔ معمولی مزاحمت کے بعد اہلِ حمص نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

اجنادین میں بزنطینیوں کو شکست دینے کے بعد اسلامی افواج اگست ۶۳۴ء میں درعا میں پہنچی تھیں۔ اُسی زمانے میں خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیقؓ بیمار ہوئے اور ابھی یرموک کی (پہلی) جنگ جاری تھی کہ مدینہ منورہ سے قاصد ان کے سانحۂ انتقال کی خبر لے کر آیا اور ساتھ

ہی نئے خلیفہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کا یہ فرمان کہ خالدؓ بن ولید کو منصبِ قیادت سے معزول اور ابوعبیدہؓ بن الجراح کو شامی محاذ کی اسلامی افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا تھا۔ خالدؓ ان کی نیابت میں کام کریں گے۔ اس فرمان کا اعلان جنگ جیتنے کے بعد کیا گیا، خالدؓ نے بڑی خوشی سے اسلامی افواج کی کمان ابوعبیدہؓ کے حوالے کر دی۔ یرموک کی پہلی جنگ کے بعد ہونے والی تمام جنگیں ابوعبیدہؓ ہی کی کمان میں لڑی گئی تھیں۔

⑤

شام کے مشرقی علاقے میں مزاحمت ٹوٹ چکی تھی۔ تمام بڑے بڑے شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ چکے تھے، چنانچہ مختلف اسلامی افواج اپنے اپنے کمانڈروں کی کمان میں ان علاقوں میں چلی گئی تھیں جہاں انھیں بھیجا گیا تھا۔ اب فلسطین کے ساحلی شہر اور اردن کے باقیماندہ علاقے اُن کا ہدف تھے۔ عمروؓ بن العاص نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا تھا۔ شرحبیلؓ بن حسنہ نے اُردن کے بچے کھچے شہروں پر قبضہ کرنے کے لئے کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ یزیدؓ بن ابی سفیان نے جنوب کا رُخ کیا اور شیرا اور ایدوم کے پہاڑی علاقے اُن کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ دمشق کے علاقے میں تھے اور ان کی فوجیں جلیلک اور حماہ کی جانب پیش قدمی کر رہی تھیں۔

ادھر بزنطینی شہنشاہ ہرقل نے انطاکیہ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے اُس نے اب تک جتنی کوششیں کی تھیں ناکام ہو چکی تھیں۔ شام کے دارالحکومت سمیت سارا مشرقی علاقہ ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اب باقیماندہ علاقے خطرے میں تھے۔ یہ صورتِ حال سخت اضطراب انگیز تھی۔ صاف واضح تھا کہ اگر مسلمانوں کی فتوحات کے سیلاب کو شام کی سرزمین میں نہ روکا جا سکا تو بڑھتے بڑھتے قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا ٹکرائے گا، چنانچہ اُس نے ایک آخری فیصلہ کن جنگ لڑنے کا عزم کر لیا تھا۔ نہایت

سرگرم تگ و دو کے بعد ۶۳۶ کے اوائل تک عیسائی عربوں، اندرونِ ملک کے مسیحی قبائل اور آرمینیا اور ایشیائے کوچک کی فوجی چھاؤنیوں سے دو لاکھ سے زائد جنگجو سپاہیوں پر مشتمل ایک عظیم الشان فوج جمع ہو گئی۔ حالیہ مہموں میں بزنطینیوں کی اتنی بڑی فوج مسلمانوں کے مقابلے میں کبھی نہیں آئی تھی۔ مارچ کے آخری دنوں میں اس فوج نے نقل و حرکت شروع کی۔ ابو عبیدہؓ کو لمحہ بہ لمحہ خبریں مل رہی تھیں۔ مسلمان شام، فلسطین اور اُردن کے علاقے میں بکھرے ہوئے تھے۔ بزنطینی فوج کے کوچ کی اطلاع ملتے ہی وہ ہر طرف سے سمٹنے اور مفتوحہ شہر اور علاقے چھوڑ کر یرموک کے جنوب میں جمع ہونے لگے۔ یرموک ایک غیر معروف دریا ہے جو حوران کی سطح مرتفع سے نکل کر جھیل گلیلی (جلیل) کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر دریائے اردن میں جا گرتا ہے۔ دونوں دریاؤں کے مقامِ اتصال سے تیس میل اوپر دریائے یرموک نصف دائرے کی صورت میں چکر کاٹتا ہے، جس سے ایک وسیع میدان بن گیا ہے۔ رومی افواج ہرقل کے بھائی تذارق (THE ODROUS) کی قیادت میں اسی میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔ ان کی پشت پر وادی قوصہ کی تنگ گھاٹی تھی، سامنے واقوصہ کی وادی تھی جو خندق کا کام دے سکتی تھی اور پہلو میں دریائے یرموک تھا۔ بلاشبہ اس طرح رومی افواج تین اطراف سے محفوظ ہو گئی تھیں، مگر کسی فوج کی یہ پوزیشن صرف فتح کی صورت میں مفید ہو سکتی ہے۔ شکست کی حالت میں ایسی فوج جس کے فرار کے راستے مسدود ہو چکے ہوں، یقینی تباہی سے دوچار ہو جاتی ہے لیکن نہ تو رومی شہنشاہ ہرقل نے اس خطرے کا خیال کیا اور نہ رومی افواج کے جرنیلوں ہی نے اپنی خطرناک پوزیشن محسوس کی۔ شاید اُن کا خیال تھا مسلمان اس زبردست فوج کو جس میں بزنطین کے انتہائی بہادر جنگ آزما قبائل سے متعلق فوجی شامل تھے، شکست نہ دے سکیں گے۔ خالدؓ نے بزنطینی جرنیلوں کی اس تباہ کن غلطی کو فوراً بھانپ لیا اور آگے بڑھ کر بزنطینیوں کے بالکل سامنے ان کے راستے پر ڈال دیا۔ اور ایک ڈیٹاچمنٹ اِن کی پشت پر ایک پل پر متعین کر دی۔ اس طرح بزنطینی چاروں طرف سے گھیرے میں آ گئے۔ عمرو بن العاصؓ نے فرطِ مسرت سے پکار اُٹھے۔ "مسلمانو! مبارک ہو۔ رومی بالکل گھر گئے ہیں اب وہ تمہارے محاصرے سے نہیں نکل سکتے۔" جنگی (STRATEGIC) نقطۂ نظر سے مسلمانوں

کے لئے یہ ایک بہترین میدان تھا۔ یہاں سے وہ مدینہ کے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکتے تھے اور تازہ دم فوج اور رسد پہنچ سکتی تھی۔ شکست کی صورت میں وہ صحرا کی وسعتوں میں پناہ لے سکتے تھے۔

گلب پاشا میدانِ جنگ کی صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اس قسم کے حالات میں سپاہی کی جنگ ہی لڑی جا سکتی ہے۔ ایک ایسی فوج جو صفیں باندھ کر اور کمان کے احکام پر لڑنے کی عادی ہو بالکل بے بس ہو جاتی ہے۔ ادھر عرب تنہا لڑنے میں طاق تھے۔ ہمت و جرأت، جوش و خروش، تحرک اور ذوق و شوق سے معمور ہر شخص تنہا لڑنے کا خواہشمند بھی تھا اور اس پر تیار بھی۔"

مسلمان افواج مختلف جرنیلوں کے ماتحت تھیں۔ سب نے صلاح مشورہ کر کے سپریم کمان خالدؓ کے سپرد کر دی۔ مسلمان صرف چالیس پچاس ہزار تھے۔ بزنطینیوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ سارا شام، آرمینیا اور ایشیائے کوچک اُمڈ آیا تھا۔ گوشہ نشین راہب اور پادری بھی خانقاہوں اور گرجوں سے نکل آئے تھے اور ان میں مذہبی غیرت و حمیت کی روح پھونک رہے تھے۔ خالدؓ نے ایک تجربہ کار اور ماہر جرنیل کی طرح صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ رومی افواج اگرچہ اپنی غلطی سے گھیرے میں آ چکی تھیں تاہم ان کی زبردست جمعیت و قوت کے آگے مسلمان بالکل فروما یہ تھے۔ خالدؓ نے اپنی فوج چھوٹے چھوٹے ۳۶ دستوں میں تقسیم کر دی۔ ہر دستے میں کم و بیش ایک ہزار سپاہی تھے۔ قلب میں نو دستے متعین کئے جن کی کمان ابو عبیدہؓ کے ہاتھ میں تھی۔ میمنہ میں چھ دستے تھے جن کے سردار عمرو بن العاص تھے۔ میسرہ میں بھی چھ دستے تھے جن کے قائد یزید بن ابی سفیان تھے۔ ہر دستے کی کمان آزمودہ کار اور بہادر افسروں کے ہاتھ میں تھی جو اپنے ڈویژن کے کمانڈر سے احکام وصول کرتے۔ تھقاع بن عمرو، عکرمہ بن ابوجہل، عیاض بن غنم، شرحبیلؓ بن حسنہؓ، ہاشمؓ بن عتبہ اور عبدالرحمٰنؓ بن ولید ایسے بہادر لوگ ان کے سردار تھے۔ مقدمۃ الجیش کے افسر قباثؓ بن رئیسم تھے۔ لشکر کے قاضی ابوالدرداءؓ تھے اور قاری مقدادؓ بن الاسود۔ وعظ و نصیحت کا کام ابوسفیان کو سونپا گیا۔ میر ساماں عبداللہؓ بن مسعود تھے۔ پھر فوج کی صف بندی اس اندازے کی کہ چالیس پچاس ہزار کی فوج دو ڈھائی لاکھ فوج کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔

تقریباً دو مہینے تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ آخر موسم گرما کے ایک گرم

دن ۲۰ اگست ۶۳۶ء) جب تند و تیز جنوبی ہوا چل رہی تھی اور گرد و غبار کے بادل اُٹھ رہے تھے، خالدؓ نے حملہ کرنے کا حکم دے دیا اور وہ ہولناک جنگ شروع ہوگئی جس نے شام کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ مسلمان قلتِ تعداد کے باوجود مردانہ وار لڑے۔ تین دن تک جنگ ہوتی رہی۔ بزنطینی کثرتِ تعداد کی بنا پر کئی مرتبہ مسلمانوں کو دھکیل کر خیموں تک لے گئے، لیکن وہ ہر بار سنبھل کر پوری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں کو پسپا ہوتے دیکھ کر ان کی عورتیں خیموں کی چوبیں اور تلواریں لے کر میدان میں نکل آئیں۔ تیسرے دن کی جنگ بہت شدید تھی۔ دونوں فوجیں کسی فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچنے کے لئے جانفشانی سے لڑ رہی تھیں۔ بزنطینی افواج کا پلّہ بھاری نظر آتا تھا۔ مسلمان قدم بقدم پیچھے ہٹ رہے تھے۔ اس عالم میں عکرمہؓ بن ابی جہل چلّائے: افسوس ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہم ساری عمر لڑتے رہے اور آج اللہ کے مقابلے میں قدم پیچھے ہٹ رہے ہیں، پھر پکارے من یبایع الموت۔ کون مرمٹنے کی بیعت کرتا ہے۔ ان کی آواز جن لوگوں تک پہنچی، اُنھوں نے اللہ کی راہ میں جانیں دے دینے، مگر پیچھے نہ ہٹنے کی بیعت کی۔ حارثؓ بن ہشام (عکرمہؓ کے چچا) ضرار بن الازورؓ وغیرہ۔ کوئی چار سو جانمرد تھے جو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور کھلبلی مچادی، اکثر نہایت مردانگی سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے، مگر انھوں نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ ان کے سرفروشانہ اقدام پر دوسرے مسلمان پہاڑ کی طرح جم گئے۔ مقدادؓ بلند آواز سے سورۂ انفال کی آیات تلاوت کر رہے تھے جن میں قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے، ان کی آواز جہاں تک پہنچ رہی تھی مسلمان نشۂ ایمان میں سرشار اپنی جانیں نچھاور کر رہے تھے۔

ظہر اور عصر کی نمازیں مسلمانوں نے اشارے سے پڑھیں۔ دن ڈھلے اُنھوں نے ایک بار پھر پُرزور حملہ کیا جس سے دشمن کے قدم اکھڑ گئے۔ بزنطینیوں کو پسپا ہوتے دیکھ کر مسلمان رسالے اور پیدل فوج نے مزید دباؤ ڈالا اور اور انھیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا، اسی دوران میں تدارق مارا گیا۔ مغرب کے قریب بزنطینی بھاگ نکلے۔ میدان لڑنے کے لئے تو خاصا وسیع تھا، مگر بھاگنے کا کوئی راستہ نہ تھا، بے شمار خندق، میدان اور وادی میں ہلاک ہوگئے — اَن گنت پانی میں ڈوب مرے — لاتعداد واقوصہ کی گھاٹی میں گھس گئے اور مارے گئے۔

مسلمان رات گئے تک تعاقب کر کے انھیں قتل کرتے رہے۔ ان کے مقتولین کا کوئی شمار نہ تھا۔ مسلمان شہدا کی تعداد تین ہزار تھی۔ ایک ہزار صرف صحابہؓ کرام تھے جن میں سے ایک سو بدری تھے۔

تین دن کی اس جنگ نے رُومیوں کی قوّت پاش پاش کر دی۔ ہرقل انطاکیہ میں بیمار پڑا تھا۔ اس ہولناک شکست نے اس کی کمر ہمت توڑ دی اور وہ نہایت مایوسی اور دل شکستگی کے عالم میں قسطنطنیہ واپس چلا گیا۔ اللہ رب سے گزرتے وقت اس نے ایک نظر شام کے سرسبز و شاداب میدانوں اور ہرے بھرے مرغزاروں پر ڈالی اور کہا:

"اے سوریا! تجھ پر سلام، دشمن کے لئے تو کیا ہی خوبصورت ملک ہے۔"

یرموک نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ رُومیوں کی قوّت ٹوٹ گئی۔ اب سارا شام مسلمانوں کے قدموں تلے تھا۔ جے جے صوندرز لکھتا ہے:

"سیریا یرموک کے دن ہاتھ سے نکل گیا اور پھر اس کی تلافی نہ ہوسکی۔ شہر کے بعد شہر، کسی مزاحمت کے بغیر، مسلمانوں کے قبضے میں چلے گئے اور چند ماہ کے اندر اندر مفتوحہ صوبہ خالدؓ کے الفاظ میں "اونٹ کی طرح چپ چاپ اور غیر متحرک بیٹھا تھا۔"

ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے:

"جنگ یرموک کے بعد جو تین دن تک رہی، عربوں نے یکے بعد دیگرے کل بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ پلمورہ (تدمر) بعلبک، انطاکیہ، نابلس، بیت المقدس، صور، طرابلس یہ سب شہر اُن کے ہاتھ آ گئے اور شاہنشاہِ مشرق ہمیشہ کے لئے شام سے جہاں اس نے سات سو برس حکومت کی تھی خارج کر دیا گیا۔"

لہ وہ راستہ جو کوہ طوروس میں سے گزر کر روم کی طرف جاتا ہے۔

فلپ کے حتی اپنی کتاب تاریخ لبنان میں لکھتا ہے:

"جنگ یرموک نے جو ۲۰ اگست ۶۳۶ء کو لڑی گئی، پورے خطے کی تقدیر کا آخری فیصلہ کر دیا..... خالدؓ نے بدر جہا زیادہ کثیر التعداد فوج کو جس میں سے اکثریت تنخواہ دار فوج کی تھی، جنگی ہنرمندیوں سے کام لے کر بالکل تباہ کر دیا۔"

۶

عمرؓ بن الخطاب نے زمام حکومت سنبھالتے ہی خالدؓ بن ولید کو معزول کر دیا تھا لیکن یہ ان کی مکمل معزولی نہ تھی بلکہ محض مرتبہ (RANK) کم کیا گیا تھا۔ اب وہ ابوعبیدہؓ کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ نے انھیں جنگی منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کا اختیار دے رکھا تھا ——

اگست ۶۳۶ء کی جنگ یرموک انھیں کے منصوبے اور حکمت عملی کے مطابق لڑی گئی تھی۔ اگلے ڈیڑھ برس کی جنگی کارروائیوں میں بھی وہ اسی حیثیت سے حصہ لیتے رہے۔ بزنطینی قوت ٹوٹنے کے بعد حضرت عمرؓ نے انھیں ۶۳۸ء (۱۷ھ) میں اس منصب سے بھی برطرف کر دیا۔ اب وہ ایک عام سپاہی ہو کر رہ گئے۔ خالدؓ کی معزولی کو مستشرقین اور مغربی مؤرخین حضرت عمرؓ کی اُن کے ساتھ چپقلش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں عمرؓ شخصی طور پر خالدؓ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے اور ایک موقع پر تو دونوں کے درمیان تلخ کلامی بھی ہوئی، چنانچہ جونہی زمام خلافت اُن کے ہاتھ آئی پہلا حکم انھوں نے ان کی معزولی کا جاری کیا۔ پہلے مرتبہ کم کیا اور پھر عام سپاہی بنا دیا (غنیمت ہے کہ وہ یہ نہیں کہتے کہ مرتے میں کمی فوج کا رذعمل دیکھنے کے لئے تھی ورنہ وہ پہلی ہی بار انھیں عام سپاہی بنا دیتے) حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین اور مغربی مؤرخین پہلے خود ایک مفروضہ گھڑتے ہیں اور پھر اس

پر دلائل کی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ عمرؓ بن الخطاب کی زندگی کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ اُمور مملکت سے متعلق کسی مسئلے کا اپنی ذاتی پسند اور ناپسند کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ اسلامی ریاست اور اُمت کے وسیع تر مفاد اور اسلامی ریاست کے احکام کے لئے اسلام جو معیاری طرز عمل متعین کرتا ہے، اُسے پیش نظر رکھتے تھے۔ خالدؓ کے ساتھ ان کی مزعومہ چپقلش اگر کوئی تھی بھی تو وہ عمرؓ کی ذاتی انا کی وجہ سے نہ تھی۔ وہ خالدؓ کی جنگی بصیرت، سپاہیانہ خوبیوں اور رہنمایانہ اوصاف کے معترف تھے۔ معزول کرنے کے بعد انھوں نے ان خوبیوں اور اوصاف کو خراج تحسین بھی ادا کیا۔ تاہم انھیں خالدؓ کی جنگی پالیسی کے بعض پہلوؤں اور طرز عمل سے اتفاق نہ تھا۔ وہ اسلامی جوش و جذبہ، تیز مزاجی یا جنگی تدبیر اور ضرورت کی بنا پر ایسے اقدامات کر بیٹھتے تھے جو عمرؓ کے نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے خطرناک بھی ثابت ہو سکتے تھے۔ پھر وہ بعض اوقات بے احتیاطیوں کے بھی مرتکب ہو جاتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر خالدؓ کے ہاتھ سے بنی خذیمہ کے بعض افراد مارے گئے تھے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشائے گرامی اور ہدایات کے خلاف تھا اور سرور کائناتؐ نے خالدؓ کے اس فعل سے اپنی ذات والا صفات کو بری الذمہ قرار دیا تھا۔ پھر مرتدین سے جنگ کے زمانے میں خالدؓ نے بنو تمیم کے سردار مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا حالانکہ اس نے اپنے ایمان و اسلام کا اعلان کیا تھا اور پھر مالک کی بیوہ سے شادی کر لی۔ یہ پہلا موقع تھا جب عمرؓ نے خالدؓ کے اس فعل پر سخت تنقید کی۔ وہ مجلس شوریٰ کے اہم ترین رکن تھے۔ انھوں نے خلیفۂ رسول ابوبکرؓ سے مطالبہ کیا کہ خالدؓ کو معزول کر دیا جائے، لیکن ابوبکرؓ نے خالدؓ سے جواب طلبی کی اور اس کی روشنی میں عمرؓ کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح مصیخ پر حملے کے دوران میں ان کے ہاتھ سے دو مسلمان قتل ہو گئے ان کے پاس حضرت ابوبکرؓ کا مکتوب تھا جس میں ان کے اسلام لانے کی توثیق کی گئی تھی۔ اس خبر پر خود ابوبکرؓ نے تاسف کا اظہار کیا۔ عمرؓ نے پھر انھیں معزول کرنے کا مطالبہ کیا، لیکن ابوبکرؓ نے خالدؓ کی طرف سے یہ معذرت فرمائی کہ وہ لوگ مشرکین کے درمیان دارالحرب میں رہ رہے تھے، خالدؓ کو

کیا خبر تھی کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ خالدؓ فطرتاً ایک فوجی اور تند مزاج آدمی تھے۔ بالعموم خود رائی سے کام لیتے اور بارگاہِ خلافت سے استصواب یا رہنمائی ضروری نہ سمجھتے۔ فوجی اخراجات کا حساب کتاب بھی نہ رکھتے۔ ایک مرتبہ عراق میں فراض کی جنگ کے بعد پیش قدمی روک کر حضرت ابوبکرؓ کی مرضی کے خلاف ان کی اجازت لئے بغیر حج کو چلے گئے۔ عمرؓ ان کے اس طرزِ عمل کو اُمت اور مملکت دونوں کے لئے خطرناک سمجھتے تھے۔ ایسے موقع پر خلیفۂ رسول کو انھیں برطرف کرنے کا مشورہ دیتے مگر ابوبکرؓ یہ کہہ کر انھیں خاموش کر دیتے کہ میں اللہ کی تلوار کو نیام میں کیسے ڈال سکتا ہوں؟ تاہم خالدؓ کو بھی تنبیہ کر دیتے۔ فوجی طرزِ عمل کے بارے میں خالدؓ کا موقف یہ تھا کہ قدم قدم پر رُونما ہونے والے مسائل کے متعلق بارگاہِ خلافت سے رہنمائی اور اجازت ممکن نہیں، افواج کے کمانڈروں کو اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے اختیارِ تمیزی سے کام لے کر موقع و محل دیکھتے ہوئے ان مسائل سے عہدہ برآ ہو سکیں، چنانچہ جب بھی ان سے خود رائی پر جواب طلبی کی گئی ان کا جواب یہی تھا اگر آپ مجھے میری موجودہ حالت پر چھوڑتے ہیں تو میں کام کر سکتا ہوں ورنہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو چونکہ وہ نظم و ضبط کے معاملے میں بڑے سخت گیر تھے اس لئے انھوں نے خالدؓ کو ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے ابوعبیدہؓ کے ماتحت کر دیا۔ اس طرح اسلامی لشکر خالدؓ کی حربی صلاحیتوں سے بھی محروم نہ ہوا اور خالدؓ کی بے احتیاطی سے لشکر جن خطرات سے دوچار ہو سکتا تھا یا جو غلط فہمیاں رونما ہو سکتی تھیں ان کا بھی ازالہ کر دیا گیا۔ اب ساری ذمہ داری ابوعبیدہؓ کی تھی جو اپنی اصابت رائے، بہادری اور فوجی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ٹھنڈے مزاج کے انسان تھے، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

پھر مسلمان عساکر میں ایک اور خطرناک رجحان پیدا ہو چلا تھا، وہ یہ کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار خالدؓ کے قوتِ بازو پر ہے۔ یہ خطرناک رجحان اگر اسی طرح پلتا رہتا تو اس سے مسلمانوں کی قوتِ ایمان کمزور پڑ جاتی اور اللہ پر اعتماد و توکل اور اس کی

نصرت اور اسلام کے اصولوں کے حق ہونے پر یقین رکھنے کے بجائے ان کا مرکزِ اعتماد و توکل ایک شخصیت بن کر رہ جاتی جو ایک کمزور اور فانی مخلوق کے سوا کچھ نہ تھی۔ یہ اعتماد و توکل ان کے دین و ایمان ہی کے خلاف نہ تھا بلکہ خالصتاً حربی نقطۂ نظر سے بھی سخت مہلک تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سپہ سالار ہیڈ کوارٹر میں بیٹھ کر نہیں بلکہ میدانِ جنگ میں صفِ اوّل میں رہ کر فوجوں کی رہنمائی کرتے تھے اور کسی وقت بھی کوئی حادثہ پیش آ سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس خیال کے دلوں میں مضبوطی سے جڑ پکڑنے سے پہلے خالدؓ کو معزول کر دینے کا فیصلہ کر لیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے اللہ پر اعتماد اور اپنے دین کی حقانیت پر یقین کمزور نہ ہو۔ ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ان کی اصل قوت ان کی تعداد کی کثرت، سپاہیوں کی شجاعت اور ان کے جرنیلوں کی شخصیت نہیں بلکہ ان کا اپنے اللہ پر ایمان، اُس کی ذات کے ساتھ تعلقِ خاطر، ان کے دین کے بلند اور انقلابی اصول اور تعلیمات ہیں۔ ان کی کامرانیاں خالدؓ کی رہینِ منّت نہیں ہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم کے طفیل ہیں۔ ابھی عمرؓ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا پائے تھے کہ خود خالدؓ نے ایک بدیہی جواز فراہم کر دیا۔ خالدؓ کی معرکہ آرائیوں اور کامرانیوں کا ہر زبان پر چرچا تھا ــــ اشعث بن قیس شاعر نے ان کی شان میں ایک قصیدہ کہا۔ خالدؓ نے اس مدح کے صلے میں اشعث کو دس ہزار درہم دے دئے۔ حضرت عمرؓ اپنے عمّال کی چھوٹی بڑی ہر بات پر نظر رکھتے تھے اور معمولی سی بھی غلط روی پر سخت تادیبی کارروائی کرتے ــــ انسانی نفسیات اور اجتماعی زندگی کی نزاکتوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اکثر چھوٹی چھوٹی بظاہر بے مایہ، غیر اہم اور انفرادی نوعیت کی باتیں نظر انداز کر دینے سے انتہائی خطرناک نتائج نکلتے ہیں جن سے پوری اجتماعی زندگی بُری طرح متأثر ہوتی ہے۔ ایک طرف ریاست کے دوسرے عمّال اور کارکن انھیں اپنے لئے نمونہ بنا لیتے ہیں۔ دوسری طرف عامۃ الناس میں بدگمانیاں اور اضطرابات جنم لینے لگتے ہیں۔ یہ بدگمانیاں اور اضطرابات ریاست کے عمّال اور عوام کے درمیان بیگانگی اور لاتعلقی کی خلیج پیدا کر دیتے ہیں جو بدگمانیوں میں اضافے اور اضطرابات میں شدّت کے ساتھ ساتھ وسیع

ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ حکومت اور عوام ایک دوسرے کے مخالف کیمپوں میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اتحاد و فکر و عمل کی جگہ انتشار اور پراگندگی لے لیتی ہے۔ معاشرے کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور بدخواہوں کی بن آتی ہے۔ اس لئے جہاں بھی کوئی خرابی سر اٹھاتے دکھائی دیتی عمرؓ اس کا سختی سے تدارک کرتے۔ خرابی کی ذمہ دار خواہ کتنی ہی بلند اور قابل احترام شخصیت کیوں نہ ہوتی اس کا فوراً محاسبہ کرتے، اسے ذمہ داری کے منصب سے سبکدوش کر دیتے یا کوئی اور سخت اقدام کرتے۔

خالدؓ کی اس غلط بخشی کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی تو انھوں نے فوراً حضرت ابوعبیدہؓ کے نام فرمان جاری کیا کہ خالدؓ سے پوچھا جائے، انھوں نے یہ روپیہ کس مد سے دیا ہے؟ اگر مسلمانوں کے مال سے دیا، تو خیانت کی، اپنی جیب سے دیا تو اسراف کیا دونوں حالتوں میں معزولی کے قابل ہیں۔ خالدؓ نے جواب دیا یہ روپیہ انھوں نے اپنے مال سے دیا تھا اور بے چون چرا امیر المومنین کے فرمان کے آگے سر جھکا دیا اور عام سپاہی کی حیثیت سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ خالدؓ مدینہ پہنچے تو عمرؓ نے شدید احتساب کیا۔ بالآخر خالدؓ امیر المومنینؓ کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

ظاہر ہے اس معزولی پر گوناگوں چہ میگوئیاں ہوئی ہوں گی۔ بالخصوص ایک صحابی کی دیانت و امانت زیر بحث آئی ہوگی، پھر بے شمار لوگ ایسے بھی ہو سکتے تھے جنھیں خالدؓ سے ہمدردی ہوگی اور امیر المومنین کے اس اقدام کو ضرورت سے زیادہ سخت قرار دیتے ہوں گے۔ ان کی یہ بھی خواہش ہوگی کہ خالدؓ کو پھر سے اسلامی عساکر کی کمان سونپی جائے لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے حضرت عمرؓ فانی شخصیتوں پر کلیتہً اعتماد کرنے اور انہی پر کامرانی و ناکامی کو منحصر سمجھنے کے رجحان کو ختم کر دینے کے لئے خالدؓ کی معزولی کا پختہ فیصلہ کر چکے تھے لیکن ابھی وہ عملی اقدام نہ کر پائے تھے کہ خود خالدؓ نے اپنی برطرفی کا سامان مہیا کر دیا۔ اس لئے ان کی بحالی کا تو ان کے نزدیک سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ البتہ گورنروں کے نام ایک فرمان بھیج کر معزولی کے اصل سبب سے پورے

ملک کو آگاہ کر دیا، تاکہ ہر قسم کی غلط فہمیاں، قیاس آرائیاں اور بدگمانیاں ختم ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے صوبائی گورنروں کو لکھا:

"میں نے خالدؓ کو کسی ناراضی یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا، بلکہ اس لئے کیا کہ لوگ ان کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ انھیں اتنا عظیم سمجھنے لگے تھے کہ اندیشہ تھا کہیں وہ خالدؓ ہی کی ذات پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔ میں چاہتا ہوں لوگ اس حقیقت کو خوب ذہن نشین کر لیں کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ بندے کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس طرح وہ فتنے میں نہ پڑیں۔"

معزولی کے بعد حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو حران آمد اور کرتہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ مگر وہ میدانِ جنگ کے آدمی تھے۔ چنانچہ ایک سال بعد مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گئے اور ۲۱ھ میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ کو ان کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔ آپؓ نے فرمایا:

"خالدؓ کی وفات سے اسلام کے قلعے میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی ہے جو کبھی پُر نہ کی جا سکے گی۔ کاش اللہ ان کی عمر اور دراز کر دیتا۔"

(۷)

خالدؓ اسلام کے عظیم ترین جرنیل تھے۔ نہایت بہادر اور اولوالعزم میدانِ جنگ ان کا گھر تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد ان کی ساری عمر جہاد فی سبیل اللہ میں گذری۔ انھوں نے تقریباً سوا سو لڑائیوں میں حصہ لیا۔ ہمیشہ اگلی صف میں عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑے۔ ان کا سارا جسم تلواروں اور تیروں کے زخم سے داغ داغ تھا۔ تیغ کی جھنکار ان کے لئے نغمۂ جانفزا تھی۔ خود فرمایا کرتے تھے:

"مجھے میدانِ جنگ کی سخت رات شبِ عروسی سے زیادہ مرغوب اور پسند ہے۔"

انھوں نے اپنی زندگی اللہ کے دشمنوں سے لڑنے اور اسلام کا پرچم بلند کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ان کے نزدیک کوئی عمل محبوب ترین تھا تو یہی فرمایا کرتے تھے:

"کلمۂ توحید و شہادت کے بعد کوئی عمل میرے نزدیک اس سے زیادہ کارآمد اور موجبِ اجر نہیں کہ اندھیری رات ہو، موسلا دھار بارش ہو رہی ہو، اور میں اس عالم میں ڈھال اور تلوار لگائے صبح کا انتظار کر رہا ہوں۔"

آخر وقت میں جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو بصد حسرت و افسوس کہا کرتے:

"افسوس میری ساری عمر میدانِ جنگ میں کٹی، مگر شہادت میرے نصیب میں نہ تھی، آج میں بسترِ مرگ پر ایڑیاں رگڑ کر جان دے رہا ہوں۔"

بڑے ہی بابرکت جرنیل تھے۔ جس طرف رُخ کیا کامیابی و کامرانی قدم بوسی کو بڑھی۔

خالدؓ نہایت ذہین، صاحبِ بصیرت و فراست جرنیل تھے۔ حملے کا آغاز کرتے وقت اپنی پسند کا محاذ کھولتے۔ دشمن کے علاقے میں دیکھ بھال (RECONNIAESENCE) کرنے کے لئے خود بھی گشت کرتے اور چھوٹے چھوٹے دستے بھی بھیجتے۔ دشمن کی قوت کا اندازہ لگانے کے لئے جہاں موقع پاتے اُس پر ضرب لگاتے۔ حریف کا کمزور پہلو فوراً بھانپ جاتے اور اس کمزوری سے پُورا پُورا فائدہ اٹھاتے۔ جنگِ اُحد میں اُنھوں نے اپنی اسی صلاحیت ہی کی بنا پر میدان کا نقشہ بدل دیا۔ انبار کا محاصرہ کیا تو قلعے کا چکر لگا کر دفاعی استحکامات کا جائزہ لیا اور کہا کہ دفاع پر متعین لشکری اصولِ جنگ سے ناواقف محض اناڑی نظر آتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کو تیروں کا ہدف بنایا جائے۔ چنانچہ مسلمانوں کے تیر انداز دستے نے اس طرح تاک تاک کر تیر مارے کہ ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھیں بیکار کر دیں جس سے محصورین میں تہلکہ مچ گیا اور ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ انبار

کے گرد و پیش خندق تھی جو ایک مقام پر تنگ تھی۔ خالدؓ نے بیمار اور ناکارہ اونٹ ذبح کر کے ان سے خندق کے اِس حصے کو پاٹ دیا اور اسلامی لشکر اُونٹوں کے اس پُل پر سے گذر کر فصیل کے نیچے جا پہنچا اور محصورین کے لئے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

خالدؓ فوجوں کی نقل و حرکت اس طرح کرتے کہ دشمن پر رعب طاری ہو جائے یا وہ تذبذب کا شکار ہو کر فیصلہ کُن اقدام کرنے سے باز رہے۔ موتہ کی جنگ اس کی بہترین مثال ہے۔ موقع و محل کے مطابق صف بندی اس انداز سے کرتے کہ مختصر سی فوج اپنے سے کئی گنا فوج کے مقابلے میں آہنی دیوار بن جاتی۔ اس کا بہترین مظاہرہ انھوں نے یرموک کے میدان میں کیا، جہاں تقریباً پونے چودہ سو برس پہلے اپنے لشکر کی صف بندی آج بیسویں صدی میں مروج جدید ترین خطوط کے مطابق کی۔ مختلف ڈویژنوں پر مشتمل افواج کو ایک سپہ سالار کمان کے تحت لانا، ہر ڈویژن کو متعدد پلٹنوں اور کمپنیوں میں تقسیم کرنا اور انھیں میدانِ جنگ میں اس طرح پھیلانا کہ دشمن کی بڑی سے بڑی فوج کے ہر پہلو کو کور (COVER) کر سکے، ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک زرخیز فوجی ذہن رکھتے تھے۔ ان کی نظر بیک وقت فنِ حرب کی گہرائیوں پر بھی تھی اور وسعتوں پر بھی۔ دشمن کی فوج کو سامنے ہی سے کور نہ کرتے بلکہ پہلوؤں سے بھی اس کا محاصرہ کرتے اور بڑھتے بڑھتے عقب تک پہنچ جاتے اور نیم دائرہ سا بنا لیتے۔ ولجہ کی جنگ میں بھی یہی اسٹریٹجی اختیار کی اور یرموک میں بھی۔

دشمن کا مقابلہ کرنے اور جنگ جیتنے کے لئے خالدؓ ہر ممکن تدبیریں اختیار کرتے۔ میدانِ جنگ میں فیصلہ کرنے سے پہلے وہ بالعموم حکمتِ عملی سے کام لے کر دشمن کو کمزور یا سپہ انداز ہونے پر آمادہ کرتے، مگر جب جنگ چھڑ جاتی تو اُسے سنبھلنے کی مہلت (BREATHING SPACE) دیتے۔ طلیحہ اور مالک بن نویرہ کے خلاف جنگوں میں خالدؓ نے سب سے پہلے ان کی جمعیت توڑنے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب رہے۔ یمامہ کی جنگ عہدِ صدیقؓ کی سب سے شدید اور اہم جنگ تھی۔ اس میں خالدؓ نے دشمن پر پے بہ پے حملے کیے، اس نے میدان سے پسپا ہو کر باغ میں پناہ لی تو اسے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ

تازہ دم ہو کر اور اپنی صفیں درست کر کے از سرِ نو مقابلے میں آ سکے۔ جب تک دشمن نے ہتھیار نہ ڈال دئے آرام نہ کیا۔ انبار کے محاصرے کے وقت ایک ہزار سپاہیوں کی آنکھیں بیکار کرنے کے بعد فوراً خندق کو عبور کرنے کی تدبیر کی، اس طرح دشمن نے جو مسلمانوں کی تیر اندازی سے سخت نقصان اٹھا چکا تھا، دہشت زدہ ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔ دور خا حملے (CONVERGING ATTACK) بھی خالدؓ کے جنگی اعمال (OPERATION) کا اہم پہلو تھے۔ دومہ میں ان کا طریقِ جنگ یہی تھا۔

خالدؓ کو لوگوں کی نفسیات سے گہری واقفیت تھی۔ بوقت ضرورت اس سے کام لیتے۔ طلیحہ سے معرکہ آزما ہونے سے پہلے جب بنو طے سے مذاکرات ہوئے تو انھوں نے طلیحہ سے ٹوٹ کر مسلمانوں کے ساتھ مل جانے پر آمادگی ظاہر کی مگر اس شرط پر کہ ہم بنو اسد سے نہیں لڑیں گے کیونکہ وہ ہمارے حلیف ہیں۔ خالدؓ نے شرط مان لی اور کہا: جس قبیلے سے چاہو لڑو جس سے چاہو نہ لڑو، تمہیں اختیار ہے، لیکن ہمارا ساتھ دو، ہم تمہیں کسی قبیلے سے لڑنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ یمامہ کی جنگ میں خالدؓ نے ہر قبیلے کو الگ الگ لڑنے کا حکم دیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے خیال سے اللہ کی راہ میں جان توڑ کر لڑیں اور اپنے قبیلے کی ذلت و رسوائی کے تصوّر سے پیٹھ پھیرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔

عرب منظم طریقے سے اور جم کر لڑنے کے عادی نہ تھے۔ وہ بالعموم رات کے پچھلے وقت، طلوعِ سحر کے قریب، ریگستان کے تند و تیز بگولوں کی طرح اچانک نمودار ہوتے، دشمن پر ٹوٹ پڑتے اور مار دھاڑ کر کے چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتے، جم کر لڑنے کی نوبت بہت کم آتی اور وہ بھی لڑائی زیادہ سے زیادہ چند گھنٹے تک رہتی۔ اسے بس چھوٹا سا تصادم (SKIRMISH) کہا جا سکتا ہے۔ ایران و روم کی جنگوں میں ان کا سامنا نہایت منظم، باقاعدہ تربیت یافتہ اور جرار لشکروں سے ہوا، پھر انھیں مسلسل جم کر لڑنا پڑا۔ بعض لڑائیاں تو دو دو تین تین دن جاری رہیں۔ مزید برآں عرب کھلے میدان کی لڑائی سے واقف تھے۔ یہاں کھلے میدانوں ہی میں نہیں، خندقوں اور بلند و بالا قلعوں اور فصیلوں

کے پیچھے محفوظ دشمنوں سے بھی پالا پڑا۔ نہریں اور دریا راستے میں آئے۔ خالدؓ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر ہر قسم کی صورتِ حال سے عہدہ برآ ہوئے۔ انھوں نے خندقیں پاٹیں، نہریں اور دریا عبور کئے۔ قلعوں پر دھاوے بولے، بلند و بالا فصیلیں سر کیں، کھلے میدانوں میں معرکہ آرائی کی اور ہر محاذ پر کامیاب ہوئے۔ دشمن محصور ہو کر لڑتا تو مسلمانوں کے تیر انداز دستے تیروں کی اس طرح بوچھاڑ کرتے کہ فصیل پر متعین فوجوں کو ان کی زد سے محفوظ رہنے کے لئے پیچھے ہٹنا پڑتا، اس بوچھاڑ کے سائے میں مسلمانوں کی پیدل اور سوار فوج آگے بڑھتی اور فصیل کے نیچے پہنچ جاتی، پھر رات کے وقت موقع پا کر کمندیں ڈال دی جاتیں جن کے ذریعے مسلمان فصیل پر پہنچ جاتے اور دست بدست جنگ کے بعد قلعے کا دروازہ کھول دیتے اور مسلمان افواج قلعے اور شہر میں داخل ہو جاتیں۔ کھلی میدانی جنگ میں خالدؓ فوج کا کچھ حصّہ "ریزرو" رکھ دیتے، باقی فوج دشمن سے بالعموم دفاعی جنگ لڑتی، جب دشمن لڑتے لڑتے تھک جاتا تو مسلمانوں کی تازہ دم "ریزرو" فوج کمین گاہوں سے نکل کر اچانک ٹوٹ پڑتی، اب مسلمان جارحانہ (OFFENSIVE) حملے شروع کرتے اور میدانِ جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیتے۔

خالدؓ پر فنِ حرب کا یہ زریں اصول پوری طرح آشکارا تھا کہ کسی فوج کی فتح مندی کا انحصار جہاں مقصد کی صداقت پر یقین، اس سے لگن اور اس کی خاطر جان نثار کر دینے کے جذبے پر ہوتا ہے وہاں مستعدی پھرتی اور نقل و حرکت کی تیزی اور وقت کا ٹھیک ٹھیک استعمال بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ تیز رفتاری کے ساتھ پیش قدمی کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دشمن کے سان گمان میں بھی نہ ہوتا اور وہ برق رفتاری کے ساتھ یلغار کر کے اس کے سر پہنچ جاتے۔ اس سلسلے میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ صحرائے شام کو عبور کرنا ہے۔ ایک بہت بڑی فوج کا بے آب و گیاہ ریگستان کی مہینوں کی مسافت صرف اٹھارہ دن میں طے کرنا بلاشبہ فوجی نقل و حرکت کی تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ ہے۔ اس کارنامے پر غیر مسلم مؤرخین بھی حیرت اور تحسین کا اظہار کرتے ہیں۔

دشمن کے علاقے میں پیش قدمی کرتے وقت پیچھے مفتوحہ علاقوں میں فوجی دستے

اور دیگر عمّال متعین کرتے جاتے تاکہ نظم ونسق بھی برقرار رہے اور عقب سے فوج بھی محفوظ رہے۔ خالدؓ کو اپنے مقصد کی صداقت وعظمت پر کامل یقین تھا اور اس کی محبّت ان کے دل ودماغ میں گھر کر گئی تھی۔ جب بھی دشمن سے آمنا سامنا ہوتا، پُرجوش تقریر کر کے اپنی فوج کے ایمان کو گرماتے، اس کے اندر روحِ جہاد بیدار کرتے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کٹ مرنے کا جذبہ اُبھارتے۔ دشمن کی کثرتِ تعداد اور مادّی ساز وسامان کو کبھی خاطر میں نہ لاتے۔ انھیں اپنے اللہ کی نصرت وتائید پر مکمّل اعتماد تھا۔ جنگ یرموک کے موقع پر رومیوں کا ٹڈّی دل لشکر دیکھ کر ایک شخص کے منہ سے نکل گیا ــــ "رومی کتنے زیادہ ہیں اور مسلمان کس قدر کم"۔ خالدؓ غضب ناک ہو کر بولے: ــــ "فتح وشکست کا انحصار تعداد کی قلّت وکثرت پر نہیں تائید ایزدی پر ہے، میرے گھوڑے کے سم ٹھیک ہوتے تو میں اس سے دُوگنی فوج کی بھی پَروا نہ کرتا"۔ طویل جنگ PROT RACTEDWAR سے بچتے۔ کہ فوجی نقطۂ نظر سے یہ وہ دلدل ہے جس میں وسیع وسائل اور افرادی قوّت رکھنے والا ملک بھی پھنس جائے تو بالآخر تباہ ہو جاتا ہے۔ خالدؓ ہمیشہ تیز قدمی (DASH) اور بھرپور قوّت (ENERGY) سے کام لیتے اور یہ دونوں عناصر کم سے کم وقت میں جنگ ختم کرنے میں فیصلہ کُن کردار ادا کرتے۔ اسی طرح تھوڑی سی قوّت سے زیادہ سے زیادہ مؤثر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اعلیٰ پائے کے جرنیل کی طرح دشمن کی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ اپنی فوج کے کمزور پہلوؤں پر نظر رکھتے، انھیں دُور کرنے کی کوشش کرتے اور اپنی اور دشمن کی طاقت کا تجزیاتی جائزہ لیتے رہتے۔ دشمن کی سرزمین میں پیش قدمی کرتے وقت عام آبادی خصوصاً حکومت کے زخم خوردہ عناصر کا تعاون حاصل کرتے۔ ایک میدان میں دشمن پر فتح سے پیدا ہونے والی فضا اور اثرات سے دوسرے میدان میں پُورا پورا فائدہ اُٹھاتے اور انھیں ضائع نہ ہونے دیتے۔ ہوازن اور سُلیم کو سرنگوں کرنے کے بعد خالد بنو تمیم کے مرتدوں کی طرف بڑھے۔ انصارؓ کا موقف یہ تھا کہ پہلے خلیفۃ المسلمین سے اجازت طلب کر لینی چاہیئے اور ٹھہر کر احکام کا انتظار کرنا چاہیئے مگر خالدؓ نے اس مؤقف سے اختلاف کیا۔ ہوازن اور سُلیم پر حاصل کردہ فتح سے مسلمانوں کے مورال میں جو اضافہ ہوا۔ اور

دشمن کی نفسیات پر اس کے جو اثرات ہو سکتے تھے۔ خالدؓ نے اُن سے فوری اور مکمّل فائدہ اٹھانا چاہتے تھے؛ چنانچہ وقت ضائع کئے بغیر انھوں نے بنو تمیم کو جا لیا۔

دشمن کو اپنے دفاعی منصوبوں اور نقل وحرکت سے ہمیشہ بے خبر رکھتے۔ معاملات کی تہ تک بڑی جلدی پہنچ جاتے۔ جنگ کے دوران میں لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال پر نظر رکھتے اور اس کے مطابق تیزی سے فیصلے کرتے جو اکثر جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ دیتے۔ مقصد اور نصب العین کے حصول کو ہر وقت سامنے رکھتے۔ انتہائی حوصلہ شکن حالات میں بھی نہ صرف ان کا اپنا مورال بلند رہتا، بلکہ اپنی فوجوں کے حوصلے بھی ٹوٹنے نہ دیتے۔ ایمان محکم، عزم وثبات، جفاکشی، دلیری وبے باکی، اعتمادِ نفس، دوربین نگاہ اور توکّل علی اللہ ان کی شخصیّت اور کردار کے نمایاں اوصاف تھے اور دشمن کے مقابلے میں انھوں نے جتنی جنگی لڑائیں ان میں ان اوصاف نے بنیادی کام کیا۔

خالدؓ کسی حربی درس گاہ کے تربیت یافتہ نہ تھے لیکن اللہ نے انھیں ایسی صلاحیتیں ودیعت کی تھیں کہ ان کے ہم عصر اور حریف کہا کرتے تھے کہ جب تک خالدؓ ایسا ایک شخص بھی مسلمانوں میں موجود ہو گا فتح مندی اور کامرانی اُن کے قدم چومتی رہے گی۔

(حیرہ کے وفد کا ملاقات کے بعد تأثر)

یہ وہ صلاحیتیں تھیں کہ تاریخ کے بڑے بڑے تربیت یافتہ جرنیلوں کی عظمت ان کے آگے سرنگوں دکھائی دیتی ہے۔ مُدّبر ان کی عظمت کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے:

"خالدؓ ان عظیم ترین جرنیلوں میں سے ایک تھے جن کی فوجی عبقریت ہی ان کی ذہانت کی معراج ہوتی ہے۔ نپولین کی طرح اُنھیں جنگ کے سوا کسی چیز سے پیار نہ تھا اور نہ وہ اس کے سوا کوئی چیز سیکھنے کے خواہش مند تھے"۔

مشہور انگریز مؤرخ منٹگمری واٹ کہتا ہے کہ:

"خالدؓ بن ولید ہر عہد کے عظیم جرنیلوں میں سے ایک ہیں"۔

خود ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ عمرو بن العاص سے جو خالدؓ کے ہم عصر اور اس عہد کے زبردست سپہ سالار تھے، خالدؓ کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی تو انھوں نے کہا:

"وہ جنگ کی سیاست کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ موت کو سرِ مُو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان میں بلّی کی سی پھرتی ہے اور وہ شیر کی مانند حملہ کرتے ہیں۔"

○

خالدؓ عظیم جرنیل ہی نہیں تھے، رفعتِ کردار کے اعتبار سے بھی عظیم تھے۔ ان جیسے کردار کے لوگ پوری انسانی تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ ٹھیک اس زمانے میں، جب ان کی عظمت کے پرچم لہرا رہے تھے، شہروں پر شہر اور علاقوں پر علاقے ان کے ہاتھوں مفتوح ہو رہے تھے، ان کی تیغ خاراشگاف روم اور ایران کی عظیم اور مستحکم سلطنتوں کے پرخچے اڑا رہی تھی، وہ جس طرف بڑھتے تھے فتح و کامرانی قدم بوسی کرتی تھی، ان کی شجاعت و مردانگی اور قائدانہ مہارت و صلاحیت کے چرچے عوام و خواص ہر ایک کی زبان تھے اور نگاہ و دل ان کی محبت و عقیدت میں فرشِ راہ ہوئے جاتے تھے، انھیں معزول کر دیا جاتا ہے اور وہ امیر المؤمنین کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ نہ کوئی احتجاج کرتے ہیں اور نہ حیل و حجت۔ یہی نہیں پہلی مرتبہ معزولی کا حکم عین اس وقت آتا ہے جب یرموک کے میدان میں فیصلہ کن جنگ لڑی جا رہی تھی۔ وہ جنگ جس میں کسی ایک فریق کی فتح و شکست کے بڑے دور رس اور ہمہ گیر اثرات رونما ہونے والے تھے۔ خالدؓ اپنی معزولی کا حکم پڑھتے ہیں اور خاموشی سے اُسے جیب میں رکھ لیتے ہیں؛ وہ نہ بے دل ہوتے ہیں نہ مضطرب اور غضب ناک، پوری دلجمعی اور حربی مہارت کے ساتھ فوج کو لڑاتے ہیں، ان کی حرکات و سکنات، قول و عمل کسی سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان سے اسلامی افواج کی کمان لے لی گئی ہے۔ جنگ ختم ہو جاتی ہے تو اسلامی افواج کو پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ معزول کر دیے گئے ہیں اور ابو عبیدہؓ نئے کمانڈر انچیف مُقرر ہوئے ہیں۔ خالدؓ ساری فوج کے سامنے بڑی خوش دلی سے ابو عبیدہؓ کو یہ کہہ کر چارج دے دیتے ہیں کہ اب اس امّت کا امین تم پر امیر مقرر کیا گیا ہے۔ دوسری مرتبہ انھیں مجمعِ عام میں اس طرح معزول کیا جاتا ہے کہ سر سے ٹوپی اتار لی جاتی ہے، عمامہ گردن میں باندھ دیا جاتا ہے، مگر وہ دم نہیں مارتے۔ کوئی اور جرنیل ہوتا تو پہلی معزولی ہی پر علمِ بغاوت بلند کر دیتا اور نہ دوسری معزولی کی ہتک تو

کبھی برداشت نہ کرتا۔ ہم نے تاریخ میں کتنے ہی جرنیلوں کا ذکر پڑھا ہے جنھیں ان کے منصب سے الگ کیا گیا تو انھوں نے اپنی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی اور ملک اور قوم کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیا۔ پھر ہم نے کتنے ہی سپہ سالاروں کے متعلق پڑھا ہے کہ انھوں نے اپنی فتوحات، اپنی حربی صلاحیتوں اور فوج میں ہر دلعزیزی کو اپنا تختِ اقتدار بچھانے کے لئے استعمال کیا، لیکن خالدؓ، جو فطرتاً فوجی ہونے کی حیثیت سے تیز مزاج تھے اور بعض اوقات خلافِ مزاج باتوں پر بگڑ جاتے تھے، اپنی معزولی کے احکام عالی حوصلگی سے قبول کرتے ہیں۔ ان کا ردِّ عمل تاریخ نے ان الفاظ میں محفوظ رکھا: "میں اپنا نفس اللہ تعالیٰ کو ہبہ کر چکا ہوں۔" یوں اطاعتِ امیر کا عدیم النظر نمونہ رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات پر نقش کر جاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔ "عورتیں خالدؓ جیسا بہادر جنم دینے سے عاجز ہیں۔" وہ بہادر ہی نہ تھے، لاثانی کردار کے حامل بھی تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عورتیں ان جیسا بہادر ہی نہیں صاحبِ کردار جرنیل بھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں، تو غلط نہ ہوگا۔

خالدؓ اگرچہ بہت بعد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے، بایں ہمہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بڑے بڑے قدیم الاسلام صحابہؓ کے مساوی مرتبہ حاصل تھا، خود فرماتے ہیں۔

"جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے تھے۔"

قبولِ اسلام کے بعد ان کی زندگی کے شب و روز میدانِ جنگ میں اللہ کے کلمہ کی سربلندی میں گزرے اس لئے قرآنِ کریم اور احادیث سیکھنے کے لئے انھیں وقت نہ مل سکا۔ تاہم ان سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں۔ دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح خالدؓ کی زندگی بھی تقویٰ و پرہیزگاری، اعمالِ صالح، حمیتِ دینی، حق پرستی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت تھی۔

خالدؓ تند مزاج تھے، لیکن فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ان کی

تند مزاجی حلم و مروّت میں بدل جاتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی معاملے میں عمار بن یاسر سے تکرار ہوگئی اور نوبت تلخ کلامی تک پہنچ گئی۔ عمارؓ شکوہ لب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے، اوپر سے خالدؓ بھی آگئے اور عمارؓ کو بُرا بھلا کہنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے، عمارؓ آبدیدہ ہوگئے۔ عرض کی: "حضورؐ آپؐ ان کی زیادتی ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا — "جو شخص عمارؓ سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ خدا سے بغض و عناد رکھتا ہے"۔ خالدؓ اس ارشاد پر لرز اُٹھے۔ ساری تندی و تلخی ہوا ہوگئی۔ خود کہتے ہیں: "جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھا تو عمار کی رضا جوئی سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہ تھی۔ میں ان سے ملا اور انھیں منایا"۔

---

(۲)

عظیم جرنیل

سعدؓ بن ابی وقاص

①

۷ھ کا آغاز تھا۔ صلح حدیبیہ عمل میں آ چکی تھی۔ مسلسل چھ برس کی جانکاہ جدّوجہد کے بعد مدینہ منوّرہ کی اسلامی ریاست کو پہلی بار اطمینان کے شب و روز نصیب ہوئے تھے۔ اس پُرسکون فضا میں عرب قبائل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت پر غور و فکر کرنے اور اس دعوت کی بنیاد پر جو اسلامی معاشرہ وجود میں آیا تھا اُس کو دشمن کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے جال سے نکل کر قریب سے دیکھنے اور جانچنے پرکھنے کا موقع ملا۔
اسی زمانے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے روم و فارس (ایران) کے بادشاہوں کو خطوط بھیجے جن میں انھیں اسلام قبول کرنے اور اسلامی معاشرے میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ فارس کے شہنشاہ خسرو پرویز کے نام مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

"اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسریٰ رئیس فارس کے نام۔ سلامتی ہو اُس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اللہ اور رسولِ خدا پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام دنیا کا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہر زندہ شخص کو خوفِ خدا دلاؤں۔ اسلام کی دعوت قبول کر تاکہ تو سلامتی سے ہمکنار رہے، ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔"

عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ خسرو پرویز کے دربار میں پہنچے اور نامۂ مبارک پیش کیا۔ شاہانِ فارس عربوں کو اپنا ماتحت سمجھتے تھے۔ یمن اُن کی سلطنت کا حصّہ تھا۔ دجلہ و فرات کے دوآبے میں جس کا مرکزی شہر حیرہ تھا، عرب قبائل رہتے تھے۔ یہ قبائل بھی ان کے

باجگذار تھے۔ اپنی "رعایا" کے ایک فرد کی جانب سے اس مکتوب کو خسرو پرویز نے اپنی توہین سمجھا۔ آداب نہ القاب، بلکہ عجم میں مروج طریق انشار کے بالکل برعکس مکتوب نگار نے خط کا آغاز اللہ کے نام سے کیا تھا، پھر اپنا نام لکھا تھا اور آخر میں شہنشاہ کا۔ وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ بُلانے والے نے اُسے امن وسلامتی کی طرف بُلایا تھا، مگر اس نے فساد اور ہلاکت کی راہ اپنائے رکھنے کو ترجیح دی۔

گرج کر بولا:

"میرا غلام ہو کر مجھے یُوں لکھتا ہے"!

پھر اسی عالم غیظ وغضب میں اس نے نامۂ مبارک کے پُرزے پُرزے کر دیے۔ یمن کے گورنر باذان کے نام فرمان جاری کیا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو اور اس مدعیٔ نبوت کو گرفتار کر کے میرے دربار میں حاضر کرو۔

اس اثنا میں عبداللہ بن حذافہ السہمی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ شہنشاہ فارس کے دربار میں جو کچھ پیش آیا تھا انھوں نے حضورؐ کے گوش گزار کر دیا۔ جناب رسالت مآبؐ نے سُن کر فرمایا:

"اللہ اس کی سلطنت بھی اسی طرح پارہ پارہ کر دے گا"۔

باذان کے دو آدمی، بابویہ اور خرخسرو مدینۃ النبیؐ پہنچے۔ بارگاہ رسالت مآبؐ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: شہنشاہ عالم نے تمہیں طلب کیا ہے۔ عدم تعمیل کی صورت میں وہ تمہیں اور تمہارے ملک کو تباہ کر دے گا"۔

حضورؐ نے بڑے تحمل سے ان کی یاوہ گوئی سنی، پھر فرمایا: میں اس کا جواب کل دوں گا"۔ اگلے روز انھیں طلب کیا اور خبر دی کہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر ڈالا ہے۔ پھر ارشاد ہوا: "جاؤ اسلام کی عملداری کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچ کر رہے گی"۔

یہ لوگ یمن پہنچے تو خسرو پرویز کے قتل کی تصدیق ہوگئی۔ ایران کا شاہی خاندان داخلی خلفشار میں اس طرح اُلجھا کہ اُسے دوبارہ مدینہ منورہ کی طرف توجہ کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

اس واقعے کو دس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ جاں نثار غلاموں کی افواج سعدؓ بن ابی وقاص کی کمان میں کسریٰ کے پایۂ تخت مدائن کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں۔

(۲)

سعدؓ بن ابی وقاص قریش کے قبیلہ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ حمنہ امیہ بن عبدالشمس کی پوتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ وہ سعدؓ کے والد کی عم زاد بہن تھیں: اس قریبی رشتے سے سعدؓ سرورِ کائناتؐ کے ماموں زاد بھائی تھے، تاہم ازراہِ محبت حضورؐ انھیں اپنا ماموں کہا کرتے تھے اور کئی بار سعدؓ کے اس شرف کا اپنی زبان مبارک سے اعتراف فرمایا۔ قبیلہ بنو زہرہ تجارت پیشہ تھا اس لئے بعض دوسرے قریشی قبائل کے مقابلے میں زیادہ خوش حال تھا۔ ان کے قافلے شام اور عراق، دُور دُور تک جاتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی جو اپنے قبیلہ کے بہت بڑے تاجر اور متمول تھے، اسی قبیلے ہی کے ایک فرد تھے۔

اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو اُسے قبول کرنے والوں میں بھاری اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ عمر کے لحاظ سے مسلمانوں میں سب سے بڑے عبیدہؓ بن الحارث تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سال بڑے تھے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ بیالیس یا پینتالیس سال کے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی انقلابی دعوت اٹھتی ہے، گرم وجواں خون ہی اسے آگے بڑھ کر اپنایا ہے۔ نوجوانوں میں نئی فکر کو قبول کرنے اور پھر اس پر مضبوطی کے ساتھ ڈٹ جانے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے اور وقت کے دھارے کے خلاف لڑ کر اس فکر کو غالب کرنے کی ہمت وعزیمت بھی۔ اس کے برعکس بڑی عمر کے لوگوں کے لئے، قلب وذہن میں زندگی بھر کے رچے بسے ہوئے افکار وتصورات، روایات، فکری وجذباتی روابط سے کٹ کر

نئی فکر اور اُس پر استوار ہونے والی نئی زندگی کو اپنانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ چالیس سال کی منزل طے کرنے کے بعد شعور کا سانچا اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ آدمی اگر اسے توڑنا بھی چاہے تو بہت کم ٹوٹ پاتا ہے۔ گوناگوں مصلحتیں، مفادات، عمر اور حالات کے تقاضے زنجیر پا بن جاتے ہیں۔ اور ان زنجیروں کو کاٹنا ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں کو کسی تحریک کا ساتھ دیتے ہوئے بوڑھا ہوتے تو دیکھا گیا ہے۔ لیکن بہت کم بوڑھے کسی نئی دعوت کو اپناتے اور اس کا ساتھ دیتے نظر آتے ہیں، یہی کیفیت اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تھی۔ سعدؓ سترہ برس کے تھے جب ان کے کانوں میں حق کی آواز پڑی۔ سعید رُوح جیسے اسی آواز کی منتظر تھی، لبیک لبیک پکار اٹھی۔ اس طرح خوش نصیب سعد السابقون الاوّلون کی صف میں شامل ہو گئے۔ وہ ساتویں یا آٹھویں مسلمان تھے جو خلعتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔

اسلام کو قبول کرنا اور غیر اسلامی بنیادوں پر قائم معاشرے کے خلاف بغاوت کرنا کبھی آسان نہیں رہا ہے

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

اس راہ کے راہروؤں پر زمانے نے کبھی لالہ و سمن نچھاور نہیں کئے۔ اس کے برعکس اکثر خارزاروں نے ان کی پیشوائی کی ہے اور ان کے تلوے چاٹے ہیں۔ سعد کا مسلمان ہونا تھا کہ ابتلا اور آزمائشوں نے آلیا۔ ان کے اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت مشفق و مہربان ماں نے کی۔ جن کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ان کا طغرۂ امتیاز تھا۔ پوری بستی میں اس معاملے میں بہت کم نوجوان ان کے ہمسر تھے۔ اُمیّہ کی پوتی نے خبر سُنی کہ بیٹے نے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلقہ غلامی میں داخل ہو گیا ہے تو کھانا پینا چھوڑ دیا۔ یہ بڑی ہی سخت آزمائش تھی۔ شفقت و محبت کی پیکر ماں جس کا کہا انھوں نے کبھی نہ ٹالا تھا اور جسے ذرا پریشانی میں مبتلا دیکھ کر وہ بے چین ہو جایا کرتے تھے اپنی بات منوانے پر مصر تھی۔ تین دن ہو چکے تھے اور پانی کا ایک قطرہ اور کھیل کا ایک

دانہ منہ میں نہ گیا تھا۔ ماں کی محبت کا جذبہ رہ رہ کر جوش مارتا۔ ایسے عالم میں فی الواقع اصحابِ عزیمت ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ کمزور ارادہ اور بودا ایمان تو ایک ہی تھپیڑے میں بہہ جاتا ہے۔ سعدؓ اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ ماں کی محبت کو حق کی محبت پر غالب نہ ہونے دیا۔ ماں سے دوٹوک کہہ دیا کہ اگر آپ کی سو جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے آپ کے جسم سے نکل جائیں تو بھی میں اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ کو سعدؓ کی یہ شانِ استقامت ایسی پسند آئی کہ ایک آیت نازل کر کے باضابطہ یہ قانون بنا دیا کہ مسلمانوں کے لئے معصیتِ الٰہی میں والدین کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ (اگر ماں باپ تجھے میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جس کی تجھ کو خبر نہیں، تو ان کا کہا مت مان۔)

مکہ کی زندگی رنج و محن سے عبارت تھی۔ جو لوگ مسلمان ہوتے مصائب و شدائد ان پر ٹوٹ پڑتے۔ ابتلا و آزمائش کی ایک کٹھالی تھی جس میں مسِ خام کو تپایا اور کُندن بنایا جا رہا تھا۔ کافروں کے مظالم سے بچنے کے لئے مسلمان اپنے اسلام کو چھپانے پر مجبور تھے۔ انھیں ہدایت تھی کہ اس ابتدائی مرحلے میں کافروں کے ساتھ کشمکش سے گریز کریں اور اپنی اخلاقی و دینی تربیت پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں۔ مسلمان لوگوں کی نگاہوں سے بچ بچا کر شہر سے باہر گھاٹیوں میں چلے جاتے اور مل کر مخفی طور پر عبادت کرتے۔ ایک روز سعد چند اصحاب کے ساتھ ایک گھاٹی میں مصروفِ عبادت تھے کہ کافروں کی ایک جماعت اُدھر آنکلی اور لگی اسلام کا تمسخر اڑانے۔ سعدؓ بڑے غیور و جسور تھے، جوش میں آ گئے، قریب ہی اُونٹ کی ایک ہڈی پڑی تھی، اُٹھائی اور ایک گستاخ کے سر پر دے ماری اور اُسے لہولہان کر دیا۔ یہ اسلام کی جانب سے پہلی خونریزی تھی جو سعدؓ کے ہاتھ سے ہوئی۔

اسلام کی بڑھتی اور دلوں کو مسخر کرتی ہوئی دعوت سے سٹپٹا کر کافروں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خاندان سمیت بنی ہاشم، شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا اور ایک ابتلائے عظیم نے آلیا تو سعدؓ نے دوسرے مسلمانوں کی طرح بڑے عزم کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں تین برس گزارے، قریشی کفار نے

محاصرہ اتنا سخت کیا تھا کہ کھیل کا ایک دانہ تک اندر نہ جانے دیتے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی فاقوں پر فاقے کاٹتے، بچے بھوک سے بلکتے؛ کبھی کبھار غیر ہاشمی ہمدرد چوری چھپے جان جوکھوں میں ڈال کر گندم یا کھانے پینے کی کوئی اور چیز پہنچاتے تو وہ زیادہ سے زیادہ مدت تک کام میں لائی جاتی اس طرح نیم فاقہ کشی کی اذیت سے دوچار رہتے۔ بایں ہمہ صبر و استقلال کے ساتھ اس ابتلا کا سامنا کر رہے تھے۔ خود سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک بار کھانے کو کچھ نہ رہا ——— ایک رات انھیں چمڑے کا ایک سوکھا سا ٹکڑا مل گیا، میں نے اُسے پانی سے دھویا، پھر آگ پر بھونا اور کوٹ کر پانی میں گھولا اور ستّو کی طرح پیا۔ اس طرح مسلسل تین برس گزارے اور اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوئے جب قریش کے کچھ نوجوانوں نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور اس معاہدے کو چاک چاک کر دیا جو قریشی سرداروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں اور آپؐ کے اہلِ خاندان کا بائیکاٹ کرنے کے لئے کیا تھا اور جسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا تھا۔

مکّہ میں رہنا مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں ہجرت کر کے مدینہ چلے جانے کا حکم دے دیا۔ سعدؓ بھی ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ مکّہ کے مقابلے میں مدینہ کی زندگی آزادی اور کسی حد تک طمانیت کی زندگی تھی۔ اب مسلمان کافروں کی ستم رانیوں سے محفوظ تھے؛ تاہم ان کے حملے کا خطرہ ہر وقت سر پر منڈلاتا رہتا، چنانچہ مسلمان راتیں جاگ کر اور مدینے کی گلیوں میں پہرہ دیتے اور مضافات میں گشت کرتے ہوئے کاٹتے۔ آستانِ نبوتؐ پر پہرہ دینے والے سعادت مند افراد میں سعدؓ بھی تھے۔ اور ایک بار اسی خدمت کے صلے میں بارگاہِ رسالتؐ سے انھیں "مردِ صالح" کا لقب عطا ہوا۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس واقعے کا ذکر کرتی ہوئی کہتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں مدینہ تشریف لائے تو ایک رات آپؐ کی نیند اُچاٹ ہو گئی۔ فرمایا: کاش! کوئی مردِ صالح آج پہرے پر ہوتا۔ اتنے میں ہمیں ہتھیاروں کی جھنکار سُنائی دی۔ حضورؐ نے دریافت کیا "کون ہے؟" جواب ملا: سعدؓ حاضر ہے۔ فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے عرض کی: میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بارے میں خوف سا پیدا ہو گیا تھا؛ چنانچہ پہرہ دینے کے لئے حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا، سعدؓ کے لئے دُعا فرمائی اور پھر سو گئے۔ حضورؐ چھوٹے چھوٹے دستے (سرایا) کفّار کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور ان کی سرگرمیوں کا کھوج لگانے کے لئے روانہ فرماتے۔ اس قسم کے دستوں کی دو مرتبہ کمان سعدؓ کو سونپی گئی۔ پہلی مہم میں سعدؓ نے ایک تیر کفّار کی جماعت پر پھینکا۔ یہ پہلا تیر تھا جو اللہ کی راہ میں چلا گیا۔

کفّار سے باقاعدہ جنگوں کا سلسلہ چھڑا تو سعدؓ ہر جنگ میں صفِ اوّل میں رہے، بڑی شجاعت اور جانبازی سے لڑے اور کڑے سے کڑے حالات میں بھی پامردی کا مظاہرہ کیا۔ بدر میں کافروں کا سرخیل سعید بن العاص انہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ احد میں جب تیر اندازوں کی غفلت سے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی اور بہت سے صحابہؓ کے پاؤں اکھڑ گئے، سعد ان تیس جاں نثاروں میں تھے جو انتہائی نازک لمحات میں بھی پہاڑ کی طرح جمے کھڑے رہے جنھوں نے چاند کو ہالے میں لے کر اُمڈتی ہوئی ظلمتوں کو پروانہ وار جانیں دے کر روکا۔ اُنھیں تیر اندازی میں کمال حاصل تھا۔ کفّار نے حضورؐ کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا اور حضورؐ اپنے ترکش سے تیر نکال کر سعد کو دیتے اور فرماتے: یا سعد ارم فداك ابی و امّی "اے سعد تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں"۔ یہ وہ اعزاز تھا جو ایک دو اور اصحاب کے علاوہ اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ سعدؓ نے بھی تیر اندازی کے وہ جوہر دکھائے کہ حق ادا کر دیا۔ طلحہ بن طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان باہر نکل آئی۔ ایک اور کافر کو بے نوک کا ایک تیر اس طرح مارا کہ اس کی پیشانی میں پیوست ہو گیا۔

اُحد کے بعد جتنے معرکے پیش آئے سعدؓ ان میں شریک ہوئے۔ بیعتِ رضوان میں بھی شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکّہ کے کافروں سے جو معاہدہ طے پایا (اور جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ کہلاتا ہے) اُس پر مسلمانوں کی طرف سے جن آٹھ اصحاب کبار نے دستخط کئے ان میں ایک سعدؓ بھی تھے۔ سعدؓ ان دس ہزار قدوسیوں میں بھی شامل تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب مکّہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ جنگ خیبر اور غزوۂ حنین میں بھی اسی جاں نثاری اور پامردی کا ثبوت دیا جس کا مظاہرہ اُحد میں کر چکے تھے۔ حجۃ الوداع میں نبی اکرمؐ کے

ہم رکاب تھے۔ مکہ پہنچے تو سخت بیمار ہو گئے اور زندگی کی آس تک نہ رہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صحت و تندرستی کے لئے دُعا فرمائی اور بشارت سنائی کہ اے سعدؓ جب تک تمہارے ہاتھوں ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہیں پہنچ لے گا تمہیں موت نہیں آئے گی۔

حضورؐ کی یہ بشارت حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں پوری ہوئی۔ انہی کے عہد میں حضرت سعدؓ کی زندگی کا درخشاں و تابندہ دور شروع ہوا جس نے انھیں دنیا کے عظیم فاتحین کی صف میں کھڑا کر دیا۔

(۳)

۱۱ھ (جون ۶۳۳ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ مملکتِ اسلامیہ کے سربراہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ منتخب ہوئے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ طالع آزما لوگوں نے جگہ جگہ نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ بہت سے قبائل زکوٰۃ دینے سے انکار کر چکے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ نے پوری جرأت و ہمت اور عزم و ثبات کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مختلف فوجی دستے باغی عرب قبائل کی طرف بڑھے بعض مقامات پر بڑی سخت لڑائیاں ہوئیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ بالآخر باغی قبائل مغلوب ہو گئے۔ عرب کے شمال مشرقی علاقے حجر میں امن و امان قائم کرنے کے لئے اسلامی افواج پہنچیں تو ان کا تصادم حیرہ کے خانہ بدوش قبائل سے ہو گیا۔ یہ خانہ بدوش عرب قبائل، دریائے فرات کی زیریں شاخ کے مغرب میں پھیلے ہوئے صحرائی علاقے میں رہنے والے قبیلۂ بنو بکر اور دوسرے عرب قبیلوں کے ساتھ خونی رشتوں اور معاشرتی روابط میں بندھے ہوئے تھے۔ فرات کا ڈیلٹا بھی عربوں سے آباد تھا۔ جنھوں نے خانہ بدوشی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کر لی تھی۔ مسلمانوں اور باغی قبائل کے تصادم کا ردِّ عمل فارس کے ماتحت رہنے والے ان عرب قبائل پر بھی ہوا۔ وہ اپنے رشتہ دار اور حلیف کی مدد کو پہنچ گئے۔ اس طرح مدینہ کی اسلامی ریاست اور ان عرب قبائل کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔

جب عرب میں امن و امان قائم ہو گیا اور باغی قبائل نے ہتھیار ڈال دیے تو خالدؓ اور مثنیٰ بن حارثہ نے شمال کی طرف سے ہونے والے حملوں کی روک تھام کی جانب توجہ کی۔ حیرہ کے ایرانی گورنر ہرمز نے ان قبائل کی پشت پناہی کی اور بہت بڑی فوج لے کر حجر کی طرف بڑھا۔ زبردست جنگ کے بعد ہرمز کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے حیرہ پر قبضہ کر لیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ کشمکش اور تیز ہو گئی۔ اس زمانے میں مسلمانوں نے شام کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا تھا اس مفتوحہ علاقے کے خطِ مواصلات کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ حیرہ اور اُس کے گرد و نواح کے عرب قبائل مکمل کنٹرول میں ہوں اور شام و عراق کی سرحدوں سے متصل صحرائی راستے ان کی ترکتازیوں اور چھاپہ مار کارروائیوں سے محفوظ و مامون رہیں۔ ادھر خود ایرانی صحرائے عرب سے اُمڈتے ہوئے خطرے سے بے حد مضطرب تھے۔ چنانچہ مروان شاہ کی کمان میں ایک لاکھ جوانوں پر مشتمل ایرانی لشکر متبرک پرچم درفشِ کاویانی کے سایے میں حیرہ کی طرف بڑھا۔ درفشِ کاویانی فتح و نظر کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ جس جنگ میں درفشِ کاویانی لہرایا جاتا ہے اس میں لازماً کامیابی ہوتی ہے۔ مسلمان فوج کے سردار مثنیٰؓ بن حارثہ نے مروان شاہ کے آنے کی خبر سنی تو وہ کمک حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت شام کی جنگوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ رومی افواج مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے گوشے گوشے سے جمع ہو رہی تھیں، اُسے شام کے محاذ پر بھیج رہے تھے ایسی حالت میں ایرانی فوج کی پیش قدمی کی خبر کچھ کم تشویشناک نہ تھی۔ مروان شاہ کی کامیابی کا مطلب یہ تھا کہ شام اور مدینے کے درمیان تمام ذرائع مواصلات منقطع ہو جائیں گے۔ اس طرح شام کے محاذ پر لڑنے والی مسلمان فوج بھی خطرے میں پڑ جائیں گی ـــــ حضرت عمرؓ نے فوراً ایک مختصر سی فوج مثنیٰؓ کی مدد کے لئے روانہ کر دی۔ ابوعبید ثقفی اس فوج کے کمانڈر تھے۔

۲۶۔ نومبر ۶۳۴ء کو دونوں فوجیں حیرہ کے نزدیک آمنے سامنے ہوئیں۔ بیچ میں دریائے فرات حائل تھا۔ مثنیٰؓ اور دوسرے مسلمان افسروں کی رائے یہ تھی کہ دشمن کو دریا پار کر کے آنے دیا جائے، لیکن ابوعبید ثقفی نے جوشِ تہوّر میں یہ رائے نہ مانی اور خود دریا عبور کر کے صف بندی کر لی۔ جنگی نقطۂ نظر سے یہ ایک فاش غلطی تھی۔ ایرانیوں کی ٹڈی دل افواج

کے مقابلے میں قدم نہ جمنے کی صورت میں مختصر سا اسلامی لشکر ہولناک تباہی سے دوچار ہو سکتا تھا؛ چنانچہ اس غلطی کا وہی نتیجہ نکلا جس کا اندیشہ تھا۔ مسلمانوں کے گھوڑے ایرانی افواج کے "آرمرڈ ڈویژن" کو جو کوہِ پیکر ہاتھیوں پر مشتمل تھا، دیکھ کر بھڑک اُٹھے اور افراتفری مچ گئی۔ ایرانی افواج کی اُمڈتی ہوئی موجیں مسلمان فوج کو بہا کر لے گئیں۔ مسلمان اپنی جانوں پر کھیل گئے، لیکن وہ اس سیلاب کو نہ روک سکے۔ گھمسان کے رَن میں ابوعبید ثقفی کو ایک سفید ہاتھی نے جس کی سونڈ انھوں نے کاٹ ڈالی تھی کچل ڈالا۔ کمانڈر کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اِدھر ایک تباہ کُن غلطی اور سرزد ہوئی۔ ایک مُسلمان سپاہی نے پُل توڑ دیا تاکہ مُسلمان بھاگنے کی بجائے میدانِ جنگ میں جم کر لڑیں۔ بے شمار مسلمان ایرانیوں کے ہاتھ سے مارے گئے، بے شمار دریا میں ڈوب گئے۔ مثنیٰ بڑی مشکل سے ایک تہائی فوج بچا کر دریا کے پار لا سکے؛ تاہم ایرانیوں نے اس فتح سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ اُن کا اپنا نقصان کچھ کم نہیں ہوا تھا۔ پھر مسلمانوں کی سخت جانی کا انھیں تجربہ ہو چکا تھا۔ انھوں نے اپنی غلطی کی وجہ سے شکست کھائی تھی۔ مثنیٰ نے جس شجاعت اور مہارت کے ساتھ ایرانی افواج کو روکا اور ٹوٹے ہوئے پُل کی مرمّت کروا کر باقی ماندہ فوج کو دریا کے پار اُتارا۔ اُس کے پیشِ نظر دشمن نے اس فتح کو غنیمت سمجھا اور آگے بڑھنے کے بجائے بازیافتہ علاقوں کے تحفظ و استحکام میں لگ گیا۔

شکست کی خبر دارالخلافہ پہنچی تو حضرت عمرؓ نے عبداللہ بجلی کی کمان میں تازہ دم فوج روانہ کی۔ اگلے سال بویب کے مقام پر فرات کے مغربی کنارے پر دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مثنیٰ نے بڑی مہارت کے ساتھ فوج کی کمان کی۔ زبردست جنگ کے بعد مسلمان فتحیاب ہوئے اور حیرہ اور اُس کے مضافاتی علاقے پر دوبارہ قابض ہو گئے۔

(۴)

شام میں رومی افواج شکست کھا چکی تھیں اور اب مسلمان ایک طرف اُردن اور مصر کی

طرف بڑھ رہے تھے، دوسری جانب عراق میں کھوئے ہوئے مفتوحہ علاقوں کی بازیابی کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ ایرانی محسوس کر رہے تھے کہ خطرہ سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ امراء وزراء اور سپہ سالار صلاح مشورے کے لئے جمع ہوئے۔ شیرویہ کے قتل کے بعد بوران دخت تخت پر بیٹھی تھی۔ فیصلہ ہوا کہ اُسے معزول کر کے سلطنت کی زمام شاہی خاندان کے کسی مرد کے حوالے کی جائے۔ ان کی نگاہِ انتخاب یزدگرد پر پڑی۔ یزدگرد نہایت سرگرم مستعد اور بلند حوصلہ نوجوان تھا۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کو ان کے مفتوحہ علاقوں سے باہر نکالنے کا عزم رکھتا تھا بلکہ خود اندرونِ عرب میں اُن سے نبٹنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ تخت پر قدم رکھتے ہی اُس نے نظم و نسق کو درست کیا۔ نئے سرے سے فوجی انتظامات کئے، قلعوں کی مرمّت کروائی، شہروں اور قلعوں کے گرد متعدد خندقیں کھدوائیں اور فصیلیں کھڑی کیں، چھاؤنیاں جنگی ساز و سامان سے بھر دیں، چوکیاں قائم کیں اور فوجوں میں اضافہ کیا۔ مسلمانوں نے جن علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا وہاں اپنے گماشتے بھیجے جنھوں نے ان علاقوں میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی اور مثنیٰ بن حارثہ ان علاقوں کو خالی کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

مثنیٰ نے بدلتی ہوئی صورتِ حالات کی مکمل رپورٹ بارگاہِ خلافت میں بھیجی حضرت عمرؓ نے فوری اِقدامات کئے۔ مختلف علاقوں میں داعی بھیجے کہ لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دیں۔ ہر طرف سحر بیان خطیب پھیل گئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان دارالخلافہ کی طرف اُمڈ آیا۔ تین ہزار یمن سے آئے۔ سعدؓ عہدِ صدیقی سے نجد میں بنو ہوازن کے عامل تھے۔ ایک ہزار مردانِ سیف و سناں انھوں نے بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اس فوج کی کمان کریں گے، لیکن مجلس شوریٰ اور اکابر صحابہؓ نے مخالفت کی اور کہا کہ امیرالمومنین کا دارالخلافہ میں رہنا نہایت ضروری ہے۔ سوال پیدا ہوا کہ پھر کمان کسے سونپی جائے؟ آخر صحابہؓ کی نظرِ انتخاب سعد بن ابی وقاصؓ پر پڑی۔ حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہوئے تو انھیں فارس کے محاذ کی کمان سونپی اور نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں مغرور نہیں ہونا چاہیئے نہ یہ خیال دِل میں لانا چاہیئے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہو، یاد رکھو بُرائی کو بُرائی سے نہیں نیکی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ اللہ اور

بندے کے درمیان اطاعت کے سوا اور کوئی رشتہ نہیں۔ انسان خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے اللہ کی نظر میں سب برابر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ زندگی کو اپنائے رکھو اور اس سے انحراف نہ کرو۔

۶۳۶ء کا موسم خزاں آخری سانس لے رہا تھا کہ اسلامی فوج نے مدینہ منورہ سے کوچ کیا۔ حضرت عمرؓ دستور کے مطابق دور تک اس کے ساتھ گئے اور حضرت سعدؓ کو ہدایات دیتے رہے۔ یہ فوج اسلامی مملکت کے منتخب روزگار بہادروں پر مشتمل تھی۔ ستر اصحابؓ وہ تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جنگ بدر میں شریک ہونے کی سعادت حاصل تھی۔ تین سو اصحابؓ وہ تھے جنھوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مرنے مارنے اور حضرت عثمانؓ (جن کے بارے میں افواہ اڑ گئی تھی کہ اہلِ مکہ نے انھیں شہید کر دیا ہے) کے خون کا بدلہ لینے کی بیعت کی تھی جو اسلام کی تاریخ میں بیعت رضوان کہلاتی ہے۔ اتنی ہی تعداد میں وہ اصحاب تھے جو فتح مکہ کی مہم میں شریک ہوئے تھے۔

۶۳۶ء کے اواخر یا ۶۳۷ء کے اوائل میں یہ لشکر نجد میں زرود کے مقام پر پہنچا۔ یہاں بہت سے قبائل اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ بنو تمیم کے چار ہزار نوجوان آئے۔ طلیحہ جس نے نبوت کا جھوٹا سا دعویٰ کیا تھا اور خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں رسوا کن شکست سے دوچار ہو کر تائب ہو گیا تھا، اپنے قبیلے بنو اسد کے تین ہزار جوان لے کر آیا۔ ایک اور سابق باغی اشعث بن قیس کندی حضر موت سے اپنے جوان لے کر پہنچا۔ یمن سے عمرو بن معدی کرب قبیلہ زبید کے جوان اپنے ہمرکاب لے کر آئے۔ اُدھر مدینہ میں حجاز کے گوشے گوشے سے مجاہدین کے دستے پہنچ رہے تھے۔ جونہی کوئی دستہ پہنچتا، حضرت عمرؓ اُسے سعدؓ کی فوجوں سے جا ملنے کا حکم دیتے۔ سعدؓ زرود سے آگے بڑھے تو بواب کے مقام پر مثنیٰ کے بھائی معنیٰ بن حارثہ ان سے آملے۔ مثنیٰ انتقال کر گئے تھے۔ معنیٰ ان کی فوج اور وہ وصیت لے کر آئے تھے جو انھوں نے مرنے سے پہلے نئے کمانڈر کو کی تھی: دشمن سے صحرا میں لڑنا۔ فتح تمہارے قدم چومے گی اور اگر شکست ہو گئی تو مہربان و کرم نواز صحرا پشت پر ہو گا۔

فارسی وہاں تمہارا تعاقب نہ کر سکیں گے۔ ہاں تم پلٹ کر حملہ آور ہو سکتے ہو۔"

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ تجارت کے سلسلے میں عراق کا سفر کئی بار کر چکے تھے اور اس کے چپے چپے سے واقف تھے: چنانچہ فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم وغیرہ سب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ سعدؓ کو ہدایت کی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلے کا مفصل نقشہ بھیجتے رہیں۔ یہ اسلام کی عسکری تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ ایسے زمانے میں جب کہ رسل و رسائل اور مواصلات کے وسائل بے محدود اور قدیم طرز کے تھے، جب ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں مہینے لگ جاتے تھے کسی فوج کا سینکڑوں میل پیچھے ہیڈ کوارٹر سے اس طرح رابطہ برقرار رکھنا بلاشبہ حیرت انگیز تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جنگی مشینری کو کس حد تک چاق و چوبند اور منظم کر لیا تھا۔ حضرت سعدؓ نے امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کی اور منزل بہ منزل اپنی رپورٹ بھیجتے رہے اور وہاں سے بڑی ہی مفید ہدایات آتی رہیں۔

شراف کے مقام پر پہنچ کر سعدؓ نے پڑاؤ کیا۔ یہ جگہ عراقی سرحد کے قریب صحرا میں تھی۔ یہاں پانی اور چارہ بھی وافر تھا۔ اور آب و ہوا بھی صحت بخش تھی۔ آگے عراق کی سرحد تک ایک وسیع و عریض بے آب و گیاہ رقبہ تھا۔ اس طرح یہ جگہ دشمن کے ناگہانی چھاپوں سے بھی محفوظ تھی۔ اسلامی افواج اس مقام پر تین مہینے تک کوئی دو سو میل کے رقبے میں پھیلی پڑی رہیں۔ اس عرصے میں سعدؓ نے دشمن کی مداخلت سے بے خوف ہو کر اپنی افواج کو از سر نو منظم کیا اور جنگ کی مکمل تیاریاں کیں۔ پوری فوج کو دس دس جوانوں کے سیکشنوں میں تقسیم کیا۔ ہر ایک پر سیکشن کمانڈر مقرر کیا۔ پھر ان سیکشنوں کو مختلف دستوں میں تقسیم کیا۔ پھر انھیں اس دور کی ترقی یافتہ افواج کی طرح مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب، ساقہ اور طلایہ میں تقسیم کیا۔

سیکشن کمانڈر عریف یا امراء الاعشار کہلاتے تھے۔ یہ سب کے سب وہ اصحابؓ تھے جنھیں آغاز اسلام سے لے کر فتح مکہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی کٹھن مرحلوں کے ساتھی رہے تھے اور سات سو وہ نوجوان تھے جن کی رگوں میں صحابہؓ کا خون رواں تھا اور جنھوں نے عظیم المرتبت صحابیاتؓ کی گودوں میں پرورش پائی تھی۔ مقدمہ پر زہرہ بن عبداللہؓ کو متعین کیا تھا۔ یہ اُس وفد کے سردار تھے جو شاہ ہجر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں بھیجا تھا پھر مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ میمنہ کا کمانڈر ایک اور صحابی عبداللہ بن المعتم کو بنایا گیا۔ میسرہ پر نوجوان صحابی شرحبیل بن السمط الکندی کو مقرر کیا۔ شرحبیلؓ نے مرتدین کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں زبردست شہرت پائی تھی۔ ساقہ پر عاصم بن عمرو التمیمی کو مامور کیا۔ طلایہ پر سواد بن مالک الیمیمی کو متعین کیا۔ کیولری دو حصّوں میں منقسم تھی۔ سلمان بن ربیعہ الباہلی گھڑ سوار دستوں کے کمانڈر تھے اور عبداللہ بن ذی السہمن الخثعمی شتر سوار دستوں کے۔ پیدل فوج جمال بن مالک الاسدی کے ہاتھ میں تھی۔ سعدؓ نے خالدؓ بن عرفطہ کو اپنا نائب یعنی ڈپٹی کمانڈر انچیف مقرر کیا "قلب" کمان سعدؓ کے اپنے ہاتھ میں تھی۔ ان تقرریوں کی توثیق امیر المؤمنین عمرؓ نے خود فرمائی۔

پوری فوج کی تنظیم مندرجہ ذیل خطوط پر کی۔ امرائے فوج مختلف دستوں کے کمانڈر براہِ راست کمانڈر انچیف کے ماتحت تھے۔ سیکشن کمانڈر (امرائے اعشار) امرا کے ماتحت تھے۔ علمبردار سیکشن کمانڈروں کے ماتحت اور سردارانِ قبائل علمبرداروں اور قاعدہ کے ماتحت تھے۔ فوج میں اطبار بھی تھے اور لوگوں کے قضیوں کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی بھی۔

فوج کی تنظیم اور تربیت مکمّل ہو چکی اور اس ترتیب و تنظیم کی منظوری امیر المؤمنین نے دے دی تو اشراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پہنچنے کا حکم دیا۔ انھوں نے سعدؓ کو لکھا: "اب اشراف سے کوچ کرو اور فارس پر یلغار شروع کر دو۔ اللہ پر اعتماد و توکّل کرو اور ہر معاملے میں اسی سے مدد چاہو، جان لو کہ تمہارا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جو کثیر التعداد ہے، جس کے پاس ساز و سامان وافر ہے، جس کی ہیبت ایک دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔ تم ایک ایسی مملکت پر حملہ کر رہے ہو جو نہایت وسیع اور مستحکم ہے، جس میں نہروں کا جال بچھا ہے جس کے میدان اور ترائیاں بظاہر سہل گزار ہیں، جہاں کہیں کہیں جنگل بھی ملتے ہیں، جس کے لوگ بڑے ہوشیار اور چالباز ہیں۔ انھیں اپنے آپ پر قیاس نہ کرنا۔ ان کی چالوں سے بچنا اور ان کی تدبیروں کا بروقت توڑ سوچنا۔ قادسیہ فارس کا دروازہ ہے۔ قادسیہ پہنچ کر اس کے پہاڑوں اور میدان کے درمیان پانی کے چشموں پر پڑاؤ ڈال دو۔ دشمن تمہارے آنے کی خبر سنیں گے تو ان میں ہلچل مچ جائے گی۔ وہ اپنی پوری قوت تمہارے مقابلے میں جھونک دیں گے۔ اگر استقلال اور پامردی سے

جمے رہے تو مجھے امید ہے کہ فتح تمہارے قدم چومے گی۔ خدانخواستہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے تو پہاڑ تمہاری پشت پر ہو گا۔ دشمن کی سرزمین سے ہٹ کر پہاڑ کی طرف آ جانا۔ اب تمہارے عقب میں صحرا ہو گا صحرا جس سے عرب مانوس ہیں۔ یہاں سے تم دشمن کے خلاف جنگ جاری رکھ سکو گے۔ دشمن صحرا کے شب و روز اور راستوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ناکام و نامراد رہے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و کامرانی عنایت کرے گا۔

دسمبر ۶۳۶ء کے اواخر یا جنوری ۶۳۷ء کے اوائل میں سعدؓ نے اپنی افواج کو اشراف سے کوچ کا حکم دیا۔ پہلے طلایہ کے دستے حرکت میں آئے، پھر 'مقدمہ' نے کوچ کیا، اس کے بعد میمنہ، میسرہ اور قلب روانہ ہوئے اور آخر میں ساقہ، عذیب میں فارسیوں کا بہت بڑا میگزین تھا۔ اُس پر قبضہ کرتے ہوئے مسلمان قادسیہ پہنچ گئے، قادسیہ پہنچ کر سعدؓ نے پورا نقشہ دارالخلافہ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے نقشہ ملاحظہ فرما کر مورچہ بندی کے بارے میں مزید ہدایات بھیجیں۔ مدینہ منورہ سے جب اسلامی فوج روانہ ہوئی تو چار ہزار تھی۔ راستے میں مجاہدین کے دستے مختلف علاقوں سے سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں آ کر ملتے رہے۔ قادسیہ پہنچے تو ان کے پرچم تلے تیس ہزار مجاہد جمع ہو چکے تھے۔ اگست ۶۳۶ء میں یرموک کے مقام پر شام میں رُومی افواج تہس نہس ہو چکی تھی۔ امیر المؤمنین عمرؓ بن الخطاب نے شامی محاذ کے کمانڈر ابوعبیدہؓ بن الجراح کو حکم بھیجا کہ عراق سے جو افواج بھیجی گئی تھیں انھیں قادسیہ بھیج دیا جائے۔

۵

ادھر یزدگرد بھی غافل نہ تھا۔ اُس نے ملک کے کونے کونے سے افواج طلب کر لی تھیں اور اُنھیں نامور جرنیل رُستم کی کمان میں قادسیہ کی طرف بڑھنے کا حکم دے دیا تھا۔ رُستم مملکت فارس کا قابل ترین اور فاتح جرنیل تھا اور رومی سلطنت کے ساتھ کئی جنگوں میں اپنی صلاحیتوں کی دھاک بٹھا چکا تھا۔ رُستم دسمبر ۶۳۶ء میں عرب مؤرخین کے مطابق

ایک لاکھ بیس ہزار فوج جلو میں لئے متبرک پرچم درفشِ کاویانی سر پر لہرائے مدائن سے جنوب کی طرف روانہ ہوا[1] ۳۳ ہاتھیوں کا ایک "آرمرڈ ڈویژن" فوج کے آگے آگے تھا۔ مدائن سے نکل کر رُستم نے بابل کے مضافات میں پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر آگے بڑھا تو حیرہ تک ستر میل کا فاصلہ طے کرنے میں چار مہینے لگا دیے۔

مؤرخین اس سُست رفتاری کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ شہنشاہ یزدگرد نوجوان اور حوصلہ مند تھا۔ اُسے فارس کی فوجی طاقت پر غرّہ تھا۔ صحرائے عرب سے اُٹھنے والے بدّو اس کی نظر میں بے مایہ تھے، فارس کی بے پناہ قوت کے آگے جن کا جمنا محال تھا۔ وہ اپنے جرنیل پر زور دے رہا تھا کہ فارسی فوج ایک بھرپور ہلہ بول کر فارس کی سرحدوں پر جمع ہوتے والے اس خس و خاشاک کو بہالے جائے اور ان کے اپنے ملک میں گھس کر اُٹھیں اس

---

[1] مغربی اور دوسرے غیر مسلم مؤرخین فارسی فوج کی تعداد ساٹھ ہزار بتاتے ہیں (جان بیگٹ گلب (گلب پاشا) کی کتاب روایت کے اعتبار ہی سے نہیں، درایت کے اعتبار سے بھی یہ تعداد درست نہیں۔ یزدگرد جو مسلمانوں کو ایک ہی ریلے میں ختم کر دینا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں دگنی فوج لاکر اپنا مقصد حاصل نہ کر سکتا۔ مسلمانوں کے ساتھ ایرانیوں کی یہ پہلی جنگ نہ تھی کہ انھیں ان کی لڑنے کی صلاحیت کا اندازہ نہ ہوتا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ دگنی طاقت سے اُن سے عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا۔ پھر ساٹھ ہزار کی یہ روایت مان لی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فارس کی ساری باضابطہ فوج یہی تھی اور کسریٰ ایسی عظیم الشان سلطنت کو دیکھتے ہوئے، جس کا رومیوں سے آئے دن مقابلہ رہتا تھا، یہ بات عقل سے بعید ہے۔ اگر ریگولر فورس پیچھے ہیڈ کوارٹر میں ہوتی تو فارسی دارالسلطنت مدائن کو بغیر لڑے بھڑے نہ چھوڑ دیتے۔ پھر یزدگرد مدائن سے بھاگا ہے تو اُسے فوجیں جمع کرنے منظم کرنے اور مسلمانوں کے مقابلے میں آنے میں کئی ماہ لگے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی باضابطہ افواج کا ایک بہت بڑا حصّہ اس جنگ میں جھونک چکا تھا اور پیچھے اتنی تھوڑی فوج رہ گئی تھی کہ فاتح مسلمان فوج کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنے سے بھی قاصر تھی۔

گستاخی کی سزا دے۔ رُستم کی رائے اس کے برعکس تھی۔ وہ بیک وقت پُوری فوجی قوت کو میدانِ جنگ میں جھونک دینا غلط سمجھتا تھا۔ یرموک کی جنگ میں ان بے مایہ بدوؤں کے ہاتھوں رومی افواج کی تباہی کی داستان یقیناً اُس تک پہنچ چکی ہوگی۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک ہی جگہ جم کر فیصلہ کُن جنگ لڑنے کے بجائے چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں اُلجھا دیا جائے۔ فارسی فوج کا بہت بڑا حصّہ محفوظ بھی رہے گا اور مسلمانوں کو قدم قدم پر سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں فارسی افواج کی مدد کے لئے محفوظ فوج میں سے حسبِ ضرورت تازہ دم جوانوں کی کمک بھی بھیجی جا سکے گی۔ مسلمانوں کے لئے اس صورتِ حال سے نبٹنا مشکل ہو جائے گا۔ مسلمانوں کی مختصر سی افرادی قوت، جس کا بڑا حصّہ پہلے ہی رُومیوں کے ساتھ مختلف محاذوں پر اُلجھا ہوا تھا، ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں ہونے والے نقصان کی کمی کو پُورا کرنے سے قاصر رہے گی، اس طرح ایک لمبے عرصے تک فارسی افواج کے ساتھ ٹکراتے رہنے سے مسلمان حملہ آور ہونے کے بجائے مدافعت پر مجبور ہو جائیں گے۔ پھر یہ قوت مدافعت بھی آہستہ آہستہ شل ہونے لگے گی۔ اس وقت پوری محفوظ فوج حرکت میں لا کر عرب کی اس نئی اور اُبھرتی ہوئی طاقت پر بھرپور اور فیصلہ کُن ضرب لگا کر آسانی سے ختم کیا جا سکے گا۔

اِدھر رُستم حیرہ میں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا اُدھر قادسیہ کے گرد و نواح کے علاقوں میں اسلامی افواج کے چھوٹے چھوٹے دستے سامانِ رسد حاصل کرنے کے لئے چھاپے مارنے لگے۔ مقامی آبادی کی شکایات یزدگرد تک پہنچیں، تو اُس نے رُستم کو فوراً آگے بڑھنے اور دشمن کا قلع قمع کرنے کا حکم دیا۔ رُستم کے لئے امتثالِ امر کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ ساباط سے آگے بڑھا اور اسلامی افواج کے سامنے دریائے فرات کے کنارے مورچے جما لئے۔ مسلمانوں نے دیکھا فارسیوں کا ٹڈی دَل مشرق سے مغرب تک دُور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ بھاری بھرکم قوی سپاہی، کوتل گھوڑے، کوہ پیکر ہاتھی، زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے فوجی غرض بے حد سج دھج کے ساتھ فارسی آئے تھے۔ دوسری طرف مجاہدینِ اسلام کی حالت بالکل ہی نرالی تھی۔ فاقوں سے پچکے ہوئے پیٹ، سُوکھے چہرے، پھٹے ہوئے کپڑے، نیام کے بجائے

چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلواریں، چھوٹے چھوٹے نیزے اور تکلوں جیسے تیر۔ ایرانی سپاہی انھیں دیکھ کر ہنستے اور مذاق اڑاتے کہ دیکھو یہ لوگ ہیں جو دنیا کی سب سے متمدن اور تاریخی قوم کا تختہ اُلٹنے چلے ہیں۔

(۶)

اسی اثنار میں حضرت سعدؓ کو حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جنگ سے پہلے اپنے سفیر یزدگرد کے پاس بھیجو جو اُسے اسلام لانے کی دعوت دیں۔ حضرت سعدؓ نے نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں چودہ افراد پر مشتمل سفارتی وفد بھیجا۔ وفد کے ارکان بہادری، وجاہت، عقل و دانش، سیاسی سوجھ بوجھ، قد و قامت اور ظاہری رعب داب کی بنیاد پر منتخب کیے گئے۔ پہلے یہ لوگ ایرانی لشکر میں گئے۔ وہاں رُستم سے بڑی بے باکی کے ساتھ گفتگو ہوئی۔ پھر یزدگرد کے دربار میں پہنچے۔ جب یہ لوگ فارس کے پایۂ تخت مدائن میں گھوڑے دوڑاتے داخل ہوئے تو انھیں دیکھنے کے لئے ایک دُنیا اُمڈ آئی۔ ان کے جتے پھٹے ہوئے تھے، کاندھے پر چادریں پڑی تھیں۔ ہاتھوں میں باریک سے کوڑے اور پاؤں میں موزے تھے۔ لوگ ان کی ہیئت کذائی دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے شام و اُردن میں قیصرِ روم کی بساط اُلٹ دی تھی اور اب کسریٰ کے اقتدار کو تہ و بالا کرنے چلے تھے۔

نعمان بن مقرنؓ نے بادشاہ کو بتایا کہ کس طرح وہ جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، پھر اللہ نے ان پر اپنا کرم کیا اور اپنا پیغمبرؐ مبعوث فرمایا جس نے انھیں ان تاریکیوں سے نکالا اور ان کی زندگیوں کو اسلام کے نور سے منور کیا۔ تم بھی مسلمان ہو کر ہمارے بھائی بند بن جاؤ یا پھر خراج ادا کر کے ہماری حفاظت میں آجاؤ۔ ان دو کے سوا تیسرا راستہ کوئی نہیں۔ اگر تم نے یہ پیش کش مسترد کر دی تو سلطنت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ یزدگرد غضبناک ہو گیا:

"اگر سفیروں کا قتل ناروا نہ ہوتا تو تم میں سے کسی شخص کی گردن سلامت نہ رہتی"

اُس نے گرجتے ہوئے کہا، پھر مٹی سے بھرا ہُوا ٹوکرا منگوایا اور پُوچھا:

"تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟"

کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر عاصم بن عمرو آگے بڑھے:

"میں ان لوگوں کا سردار ہوں"

یزدگرد نے حکم دیا کہ ٹوکرا اس شخص کے سر پر رکھ دو۔ عاصم ٹوکرا لئے سعدؓ کے پاس پہنچے اور بولے: "مبارک ہو، دشمن نے اپنی سرزمین خود ہمارے حوالے کر دی ہے"۔

سفارت کی ناکامی کے بعد فریقین جنگ کی تیاری میں لگ گئے، لیکن رُستم کی نظر حالات کے نشیب و فراز پر تھی، وہ فیصلہ کُن جنگ سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر مذاکرات کی طرح ڈالی۔ سعدؓ کو پیغام بھیجا: اپنا کوئی وفد ملاقات کے لئے بھیجو۔ اگلے چند روز سفارتی سرگرمیوں میں گزرے۔ رُستم نے مسلمان سفیروں کو مرعوب کرنے اور ایرانی سلطنت کی ہیبت اُن کے دلوں پر ڈالنے کے لئے تزک و احتشام سے دربار سجایا، لیکن وہ اس جاہ و جلال اور شان و شوکت سے ذرا متاثر نہ ہوئے۔ پہلے زہرہؓ گئے، مگر بات چیت ناکام رہی، پھر سعدؓ نے ربعی بن عامرؓ کو بھیجا۔ ربعیؓ رُستم کے آراستہ پیراستہ دربار میں پہنچے۔ رستم یاقوت اور بیش بہا موتی زیب بدن کئے، بیش قیمت لباس پہنے، تاج سر پر رکھے، سونے کے تخت پر بڑی تمکنت کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ربعیؓ پھٹا پُرانا لباس پہنے، چھوٹی سی ڈھال لگائے تلوار اور تیر کمان لٹکائے ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار پہنچے اور فرش کو روندتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ پھر گھوڑے سے اترے، ایک قیمتی گاؤ تکیے سے گھوڑا باندھا اور خود رُستم کی طرف بڑھے۔ خدّام نے کہا: اسلحہ ہمارے حوالے کر دو، اسلحہ سے لیس ہو کر سپہ سالار سے نہیں مل سکتے۔ ربعیؓ نے جواب دیا: میں خود سے نہیں آیا۔ مجھے بُلایا گیا ہے، اگر تم کو منظور نہیں تو ابھی واپس جاتا ہوں۔ رُستم نے کہا: آنے دو۔ ربعیؓ قالینوں کے فرش پر نیزے کا سہارا لئے آگے بڑھے۔ نیزے کی انی سے فرش جگہ جگہ سے کٹ گیا۔ رُستم کے تخت کے سامنے پہنچ کر ربعیؓ نے نیزہ قیمتی فرش میں گاڑ دیا اور خود زمین میں بیٹھ گئے۔ گفتگو شروع ہوئی۔ ربعیؓ نے پھر اسلام کی دعوت دی اور کہا یا تو اسلام قبول کر لو یا جزیہ دو، تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

تیسری بار مغیرہؓ بن شعبہؓ گئے۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں رُستم نے کہا:

"غالباً بھوک، تنگدستی اور پریشان حالی تمہیں اپنے گھروں سے باہر لائی ہے۔ تم لوگ جتنا اور جو کچھ چاہو ہم تمہیں دینے کے لئے تیار ہیں۔"

مغیرہؓ نے جواب دیا:

"بے شک ہم بھوکے تھے، لیکن اللہ نے ہم میں ایک پیغمبرؐ مبعوث کیا جن کی پیروی سے ہماری بدبختی خوش قسمتی سے بدل گئی۔ اُنھوں نے ہمیں دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا۔ ہم تمہیں خدائے واحد کی بندگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اسے قبول کرتے ہو تو ٹھیک ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔"

رُستم طیش میں آگیا اور گرجا:

"آفتاب کی قسم، کل طلوعِ صبح سے پہلے پہلے تم سب کو خاک میں ملا دوں گا۔"

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (قوت وطاقت کی سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے)

مغیرہؓ نے کہا اور چلے آئے۔

۷

بالآخر مذاکرات ختم ہوگئے۔ رُستم نے اپنی فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ ساری رات تیاری میں گزری۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا ایرانی فوج کا سمندر دُور دُور تک موجزن ہے۔ مسلمان پہلے ہی سے تیار تھے۔ فروری کی آخری یا مارچ، ۶۳۷ء کی پہلی تاریخ تھی۔ فرات بیچ میں حائل تھا۔ ایرانیوں کی خواہش تھی کہ مسلمان دریا عبور کرکے آئیں۔ مسلمان چاہتے تھے کہ ایرانی مغرب کنارے پر آکر لڑیں۔ جو فوج بھی دریا پار کرکے آتی، شکست کی صورت میں سنبھلنے ہی سے دوچار ہوسکتی تھی۔ مسلمانِ جنگِ جسر کے تباہ کُن تجربے کے بعد اس غلطی کو دہرانے پر تیار نہ تھے۔ ایرانی لشکر جنگ بویب میں ایسی ہی غلطی کا ارتکاب کرکے تباہ ہوچکا تھا۔ مسلمان کچھ زیادہ جلدی میں نہ تھے۔ اُن کی پُشت پر صحرا تھا۔ اور سامانِ رسد کے بھرے

کے لئے دشمن کا وسیع علاقہ ان کی ترکتازیوں کی زد میں تھا۔ وہ طویل عرصے تک دشمن کے دریا عبور کرنے پر مجبور ہوجانے کا انتظار کرسکتے تھے۔ اِدھر یزدگرد کے احکام تھے کہ کسی مزید تاخیر کے بغیر مسلمانوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ مسلمان چھاپہ ماروں کی سرگرمیوں سے ایک طرف عام ایرانی آبادی کی روزمرہ کی زندگی تلپٹ ہوکر رہ گئی تھی۔ دوسری طرف اس کا مورال بُری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ رُستم کے لئے سنا ہی حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ ایرانی افواج دریا عبور کرکے مغربی کنارے پر صف بستہ ہونے لگیں۔ اسلامی افواج کے کمانڈر سعدؓ بن ابی وقاص عرق النساء کے مرض میں مبتلا تھے اور چلنے پھرنے اور گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل نہ تھے انھوں نے اپنے نائب خالد بن عرفطہ کو ہدایات جاری کیں اور خود میدانِ جنگ کے قریب پرانے زمانے کے ایک محل کے بالاخانے میں مقیم ہوگئے، جہاں سے پورا میدانِ جنگ صاف نظر آتا تھا۔ جنگ کے دوران میں وہ اسی مقام سے لڑائی کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر احکام اور ہدایات صادر کرتے رہے۔

میدانِ جنگ کا منظر بے حد جوش انگیز تھا۔ رستم مقدس درفشِ کاویانی کے چھتر تلے ہوئے پھریرے کے سایے میں کھڑا اپنی افواج کو ہدایات دے رہا تھا۔ نعروں اور جنگی طبل کی پُرہیبت آواز سے فضا گونج رہی تھی۔ ایرانی فوج کے جوان کوتل گھوڑوں پر سوار نشۂ قوت میں جھوم رہے تھے۔ دوسری طرف اسلامی لشکر بھی صف بندی کئے بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے چاق وچوبند کھڑا تھا۔ شعلہ نوا شاعر اور پُرجوش خطیب رزمیہ اشعار اور جادو اثر تقریروں سے دلوں میں آگ لگا رہے تھے۔ ساتھ ہی قاری بڑی خوش الحانی سے سورۂ انفال کی آیاتِ جہاد پڑھ رہے تھے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ وَ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ۝

(اے نبیؐ، اہلِ ایمان کو جنگ پر ابھارئیے اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدمی اور استقامت کے پیکر ہوں گے وہ دو سو پر غالب آئیں اور اگر ایک سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں

یہ بھاری رہیں گے یہ اس لئے کہ یہ زر سونا جو مجھ سے عاری ہیں .....)

یہ آواز جہاں تک پہنچتی تھی مجاہدین اسلام کے سینوں میں اللہ کی راہ میں سر کٹا کر شہیدوں کی ابدی زندگی سے ہمکنار ہونے کا ولولہ بھر دیتی تھی۔

ظہر کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ پہلے دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے کو دعوتِ مبارزت دیتے رہے۔ پھر عام جنگ چھڑ گئی جو غروب آفتاب تک جاری رہی۔ ایرانی ہاتھیوں کی فوج اسلامی فوج کے پیچھے سب سے زیادہ پریشان کن تھی۔ کالے سیاہ پہاڑ سونڈیں اٹھاتے ہوئے جس طرف رُخ کرتے اُن کے آگے کھلبلی مچ جاتا تھا۔ بجیلہ کے جوانوں نے خاصی دیر تک ان پہاڑوں کا مقابلہ کیا لیکن تابکے؟ ان کے ریلے کے آگے ٹھہر نا دشوار ہو گیا۔ حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھ کر قبیلۂ اسد کو حکم بھیجا کہ وہ بجیلہ کی مدد کو پہنچیں۔ جب وہ بھی روکنے میں کامیاب نہ ہوئے تو قبیلہ تمیم کو کہلوایا کہ تمہارا نیزہ بازی اور تیر اندازی کا کمال کب کام آئے گا۔ عاصم بن عمرو التمیمی اپنے جوانوں کو لے کر بڑھے اور تلواروں، نیزوں اور تیروں سے ان پہاڑوں پر پل پڑے۔ انھوں نے تاک تاک کر ان کی آنکھوں کو نشانہ بنایا۔ چند بہادر ان کے نیچے گھس گئے اور نیزے اور تلواریں ان کے پیٹ میں گھونپ دیں۔ اس طرح بہت سے ہاتھی ناکارہ ہو گئے اور مسلمانوں کو اپنی صفیں از سرِ نو درست کرنے اور قدم جمانے کا موقع مل گیا۔ دن بھر گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ شام کی تاریکی پھیلی تو دونوں فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ میں واپس آ گئیں۔ یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا جو اسلامی تاریخ میں یوم الارماث کہلاتا ہے۔

پہلے روز کی جنگ میں پلّہ ایرانیوں کا بھاری رہا تھا۔ مسلمان بڑی مشکل سے ہاتھیوں سے نپٹنے اور اکھڑتے ہوئے قدم جمانے میں کامیاب ہوئے تھے؛ تاہم عام ایرانی سپاہی رات بھر مضطرب رہے۔ اُنھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں کی جنگی چالوں سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ یہ چالیں جنگ کے رنگ کے ساتھ بدلتی رہتی تھیں اور مسلمان افسروں کی ذہانت و بصیرت کا شہ کار تھیں۔ رُستم کو ابھی تک فتح کامل کی اُمید تھی۔ اُس کا تکیہ کثرتِ تعداد، بہترین جنگی تربیت اور اعلیٰ جنگی ساز و سامان تھا۔ اس نے دن کی رپورٹ مدائن بھیج دی تھی۔ رات کے پچھلے پہر

پھر مزید تازہ دم فوج پہنچ گئی جس کے ساتھ ہاتھیوں کا ایک اور اسکواڈرن بھی تھا۔ مسلمانوں نے یہ رات اپنے معمول کے مطابق تلاوتِ قرآن اور رکوع و سجود میں گزاری۔

دوسرے روز کی جنگ پہلے دن سے بھی شدید تھی۔ آج ایرانی ہاتھیوں کے بغیر میدان میں اترے تھے۔ مسلمان گزشتہ روز کے مقابلے میں زیادہ فارم میں تھے۔ عین گھمسان کی جنگ میں شام سے وہ فوج پہنچ گئی جسے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن الخطاب نے یرموک کی جنگ ختم ہوتے ہی عراق پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ مقدمۃ الجیش کی کمان ہاشم بن عتبہ کے قعقاع کر رہے تھے۔ اس فوج کے پہنچتے ہی مسلمانوں کے حوصلے دوچند ہو گئے۔ انھوں نے شجاعت اور سرفروشی کے دل کھول کر جوہر دکھائے۔ قعقاع صفیں چیرتے ہوئے رُستم کی طرف بڑھے مگر پھر دشمن کے سپاہیوں کی فصیلیں بیچ میں حائل ہو گئیں۔ اسی روز مسلمانوں نے ایک اور جنگی تدبیر سے کام لیا۔ ان کی شتر سوار کیولری نے اونٹوں کی گردن پر بڑی بڑی جھولیں ڈال لیں۔ کیولری کے جوان جس طرف بڑھتے ایرانیوں کے گھوڑے انھیں دیکھ کر بدک جاتے اور افراتفری مچ جاتی؛ تاہم جنگ کا فیصلہ اُس روز بھی نہ ہو سکا۔ رات کی تاریکی میں دونوں فوجیں ایک دوسرے سے الگ ہوئیں۔ یومِ اغواث کے اس معرکے میں دس ہزار ایرانی سپاہی کھیت رہے۔ اس کے بڑے بڑے ممتاز اور نامور افسر مارے گئے۔ مسلمان دو ہزار شہید ہوئے۔

تیسرے روز کا معرکہ گزشتہ دو دن کے معرکوں سے زیادہ ہولناک تھا۔ رات کے وقت ایرانیوں کو پھر تازہ دم کمک پہنچ گئی تھی۔ ادھر ابھی جنگ شروع ہی ہوئی تھی کہ شام سے آنے والی اصل فوجی جمعیت بھی آ پہنچی اور جنگ میں شریک ہو گئی۔ ایرانیوں نے ہاتھیوں کا اسکواڈرن پھر جنگ میں جھونک دیا تھا۔ اور وہ مسلمانوں کی صفوں میں زبردست تباہی مچا رہے تھے۔ ان کے گھوڑے کالے سیاہ جھومتے ہوئے پہاڑوں کو دیکھ کر بدک جاتے اور انھیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ مسلمانوں نے اپنے گھوڑوں پر جھولیں ڈال دیں ۔ اس تدبیر سے ایرانی گھوڑے تو بے شک خوفزدہ ہو گئے، مگر یہ چلتے پھرتے کالے پہاڑ جس طرف کا رُخ کرتے صفوں کی صفیں درہم برہم کر دیتے۔ سعدؓ نے شامی فوج کے کمانڈر قعقاع بن عمرو کو طلب کیا اور کہا: "اُن کالی آندھیوں سے نبٹو، میدان تمہارے ہاتھ ہے۔" قعقاع نے

نے حکم کی تعمیل کی۔ بنو تمیم کے جوان نیزے لے کر ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے اور تاک تاک کر ایسے وار کیے کہ اُن کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ چند بہادر گھوڑوں سے اترے اور تلواریں لے کر ہاتھیوں پر جھپٹے۔ قعقاع نے علمبردار سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہو گئی۔ وہ چنگھاڑتے ہوئے ماگ کھڑا ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے دوسرے ہاتھی بھی بھاگے۔ اس طرح آہنی دیوار ٹوٹ گئی ایرانی سیاہ ہاتھیوں سے بچنے کے لئے اِدھر اُدھر چھٹنے لگی۔ قعقاع کی فوج نے فوراً اس خلا کو بھر دیا اور ایرانی صفوں میں تباہی مچادی؛ تاہم ایرانی اپنی جان پر کھیل گئے۔

دن بھر ہنگامۂ کارزار گرم رہا۔ سورج ڈوب گیا اور لڑائی رات بھر اسی شدّت سے جاری رہی۔ تلواروں کی کھچا کھچ، نعروں کی گونج، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور زخمیوں کی چیخ پکار سے شورِ قیامت برپا تھا۔ اسی مناسبت سے یہ رات لیلۃ الہریر کہلاتی ہے۔ جنگ کا فیصلہ اگلے دن دوپہر کے وقت ہوا۔ اُس روز صبح سویرے ہی صحرائی آندھی چلنے لگی۔ اور اس غیبی امداد نے جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ آندھی کا رُخ ایرانیوں کی طرف تھا۔ مسلمان اس قسم کی آندھیوں کے عادی تھے۔ ایرانیوں کے لئے یہ ایک نئی مصیبت تھی۔ دونوں لشکر گرد و غبار میں چھُپ گئے، لیکن لڑائی پوری شدّت سے جاری رہی۔ رُستم پہاڑ کی سی ثابت قدمی کے ساتھ اپنی فوج کو لڑاتا رہا۔ دوپہر کے وقت مسلمانوں نے محسوس کیا کہ جب تک رُستم موجود ہے جنگ ختم نہیں ہوگی؛ چنانچہ انھوں نے اپنا سارا دباؤ قلبِ لشکر پر ڈال دیا اور لڑتے بھڑتے رُستم کے قریب پہنچ گئے۔

رُستم تخت سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بڑی پامردی سے مقابلہ کرتا رہا۔ آخر زخموں سے چُور ہو کر بھاگا۔ راستے میں فرات کا ایک دھارا پڑتا تھا، اُس میں کود کر نکل جانے کی کوشش کی، مگر ایک مجاہد ہلال بن علقمہ نے تعاقب کر کے اُسے قتل کر دیا۔ پھر وہ رُستم کے تخت پر کھڑا ہو گیا اور چلّایا: خدا کی قسم مَیں نے رُستم کو قتل کر ڈالا۔ یہ گویا آخری ضرب تھی۔ ایرانیوں کی قوّتِ مزاحمت پہلے ہی جواب دے چکی تھی۔ اپنے سپہ سالار کے قتل ہوتے ہی ان میں افراتفری مچ گئی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ سینکڑوں فرات کی مختلف شاخوں

میں ڈوب کر مر گئے۔ ہزاروں مسلمانوں کی تلواروں کا شکار ہو گئے۔ شام تک کہیں دشمن کا نام و نشان نہ تھا۔ میدان لاشوں اور زخمیوں سے پٹ گیا تھا۔ بیس ہزار ایرانی مارے گئے تھے۔ خود مسلمان تقریباً چار ہزار شہید ہوئے۔ مالِ غنیمت کا کوئی حد و حساب نہ تھا۔

قادسیہ کی جنگ کا شمار ان تاریخی جنگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے تاریخ کا رُخ بدل ڈالا۔ اس جنگ نے اپنے دَور کی ایک سب سے متمدّن اور عظیم سلطنت کو زمین بوس کر کے رکھ دیا۔ یہ جنگ، یرموک کی جنگ ہی کی طرح فیصلہ کن تھی۔ قادسیہ میں ایرانیوں کی قوّت پر ایسی کاری ضرب پڑی کہ پھر ان کے قدم کہیں جمنے نہ پائے۔ اگلے چھ برس کے اندر اندر ایرانی سلطنت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشاد کی صداقت پر تاریخ نے گواہی دے دی کہ اللہ تعالیٰ کسریٰ کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گا۔

قادسیہ کی جنگ، اس عہد کی دوسری جنگوں کی طرح، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ کسی جنگ میں فیصلہ کن کردار کثرتِ تعداد، مادّی سروسامان اور خیرہ کن تمدّنی مظاہر نہیں، نصب العین سے عشق، اخلاقی توانائی، مقصدِ زندگی کے لئے مر مٹنے کا جذبہ، صبر و ثبات اور عزیمت و استقلال ادا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے نصب العین سے جو سچّا عشق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ یزدگرد کے دربار میں بھی اس نصب العین کی حقّانیت کو ثابت کرنے سے نہ ہچکچائے۔ انھیں اپنے اللہ پر کامل اعتماد و توکّل تھا۔ اس کے برعکس دشمن توہمات کا شکار اور ذرا ذرا سی بات سے بُرا شگون لینے کا عادی تھا۔ مسلمانوں نے اپنی اخلاقی برتری کی دھاک اس وقت بٹھائی جب وہ سفیر بن کر یزدگرد اور رُستم کے دربار میں گئے۔ ایرانی سپاہی اور افسران کا لباس، ان کے ہتھیار اور ان کی ہیئت کذائی دیکھ کر ہنستے تھے۔ انھوں نے انھیں ذہنی طور پر مرعوب اور اخلاقی طور پر پست ہمّت کرنے کے لیے اپنی صدیوں کی تہذیبی و تمدّنی شان اور شوکت کا بھرپور مظاہرہ کیا، لیکن مسلمان اس شان و شوکت سے مرعوب تو کیا ہوتے انھوں نے اس کی طرف سرے سے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اُنھیں اپنی چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلواروں پر ناز تھا۔ اس لئے کہ میدانِ جنگ میں سونے چاندی سے مڑھے ہُوئے نیام کام نہیں آتے بلکہ تلوار کی دھار کام آتی ہے

اور تلوار کی دھار سے بھی وہی شخص کام لے سکتا ہے جس کا سینہ زندگی کے بلند ترین نصب العین کی محبت اور گرمی سے معمور ہو۔ انھیں اپنے نیزوں ایسے چھوٹے تیروں پر ذرا بھی شرمندگی نہ تھی کہ بقول ان کے آگ چاہے کتنی ہی تھوڑی ہو، جلا دینے کی خاصیت رکھتی ہے۔ دشمن سمجھتا تھا یہ لوگ خوش حالی اور مال و دولت کی طلب میں نکلے ہیں، اُس نے انھیں مال و دولت کی پیش کش کی اُنھوں نے اس پیش کش پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔

مادّی اور تہذیبی اعتبار سے ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ مالِ غنیمت میں بہت سا کافور ان کے ہاتھ لگا، مگر یہ اس کو نمک سمجھے۔ جنگی ساز و سامان کے اعتبار سے ایرانیوں کے ساتھ ان کی کوئی نسبت نہ تھی، لیکن ایک تو انھوں نے عین میدانِ جنگ میں اپنے اللہ سے لَو لگائے رکھی دُوسرے جو ساز و سامان اُن کے پاس تھا اسے انھوں نے بہترین طریقے سے استعمال کیا۔ دشمن کی کمزوری اور توانائی سے باخبر رہنے کے لئے انھوں نے سراغرسانی کا مؤثر نظام قائم کیا۔ دشمن کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی جنگی چالوں کو بروقت بھانپا اور اپنی ذہانت سے ان کے جواب میں نئی نئی تدبیریں اختیار کیں۔ اس طرح جتنے وسائل انھیں میسّر تھے، ان سے بھرپور کام لیا اور میدان میں پہاڑ کی طرح جم گئے اور اپنے سے چار گنا فوج کو شکست دینے اور عظیم ایرانی سلطنت کی کمر توڑ دینے میں کامیاب ہوگئے اور میدانِ جنگ میں پہاڑ کی طرح جم گئے۔ اس سلطنت کا خاتمہ محض ایک خاندان کی حکمرانی کا خاتمہ نہ تھا بلکہ اس سے وہ کروڑوں بندگانِ خدا آزاد ہو گئے جو بادشاہی نظام کے جُوئے تلے صدیوں سے کچلے جا رہے تھے۔ اور اس کی جگہ ایک ایسے نظام نے لے لی تھی جو انسان پر انسان کی خدائی کو مٹانے اور زندگی کو عدل و انصاف، مساوات، محبّت و اخوت اور صدق و حق کے سانچے میں ڈھالنے آیا تھا۔

۸

جنگ قادسیہ کے دن مدنی ریاست کی تاریخ میں بڑے ہی نازک دن تھے۔ ہر شخص

مضطرب تھا اور محاذ سے آنے والی خبر کا منتظر، مگر سب سے زیادہ مضطرب رُوح امیرالمومنین عمرؓ بن خطاب کی تھی۔ انھوں نے ابتدا ہی سے قادسیہ کے محاذ کی جزویات پر نظر رکھی تھی اور ہدایات جاری کرتے رہے تھے، انھیں معلوم تھا کہ جنگ کے بادل چھٹ پڑنے کو ہیں، مگر اب کئی روز سے کوئی خبر نہیں آ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ روزانہ صبح کے وقت بے قراری کے عالم میں مدینہ کے مشرقی دروازے سے نکلتے اور عراق سے آنے والے راستے پر قاصد کے انتظار میں کھڑے ہو جاتے، اور پھر ایک روز انھوں نے دیکھا ایک شتر سوار، گرد و غبار میں اَٹا چلا آ رہا ہے۔ قریب پہنچا تو اُس سے دریافت کیا:

"بھائی کہاں سے آ رہے ہو؟"

"قادسیہ سے" اُس نے اونٹ روکے بغیر جواب دیا۔

"وہاں کی کوئی خبر؟" عمرؓ کی مضبوط آواز میں دل کا اضطراب کروٹیں لے رہا تھا۔

"اللہ نے مسلمانوں کی مدد کی، فارسیوں کو شکست فاش ہو گئی ہے۔" اُس نے کہا اور اونٹ کو تیز کر دیا۔ وہ پوچھنے والے اس طویل قامت، برہنہ پا، بیوند لگے کپڑوں میں ملبوس شخص کو ایک عام بدّو سمجھا، عمرؓ اونٹ کے ساتھ ساتھ دوڑتے چلے گئے۔ وہ لڑائی کی تفصیلات پُوچھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں شہر میں داخل ہو گئے۔ اب جو شخص بھی راستے میں ملتا اس بدّو کو "امیرالمؤمنین" کے لقب سے پکارتا۔ شتر سوار کو جب معلوم ہُوا کہ اُس کی رکاب تھام کر دوڑنے اور احوالِ جنگ پوچھنے والے عمر بن خطّاب ہیں تو کانپ اٹھا۔ عرض کی امیرالمؤمنین لاعلمی میں یہ گستاخی سرزد ہو گئی، آپ اپنا نام بتا دیتے۔ اس نے اُونٹ سے اترنا چاہا مگر حضرت عمرؓ نے اُسے روک دیا اور فرمایا: "بھائی کوئی حرج نہیں، تم اپنی بات جاری رکھو۔" چنانچہ اسی طرح قاصد کی رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ قاصد نے امیرالمومنینؓ کی سادگی، فروتنی اور مسلمانوں سے متعلق اُمور میں اضطراب اور بے چینی کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا آج اس کی اپنی آنکھیں اس کی گواہی دے رہی تھیں۔

شہر میں ڈونڈی پٹ گئی۔ لوگ مسجدِ نبویؐ میں جمع ہو گئے۔ امیرالمومنینؓ نے فتح کی خوش خبری سنائی اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں تمہارا بادشاہ نہیں خادم ہوں، خلافت کا بوجھ میرے کاندھوں پر آپڑا ہے، اگر میں اُسے اس طرح اٹھاؤں کہ تم لوگ امن واطمینان کی زندگی سے بہرہ یاب وسکو تو اس کو اپنی خوش بختی کا سامان سمجھوں گا اور اگر میں یہ چاہوں کہ تم لوگ میرے حضور میں حاضر باش رہو تو یہ میری بدنصیبی ہوگی، میں تمہیں تعلیم دینا چاہتا ہوں مگر قول سے نہیں عمل سے۔"

امیرالمومنینؓ کا خطاب اگرچہ بہت مختصر تھا لیکن جس جذباتی موقع اور نفسیاتی فضا میں انھوں نے یہ باتیں کہیں اس نے اُنھیں بڑا اہم بنا دیا تھا۔ یرموک کے مقام پر بزنطینی افواج کو شکست دیے کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا، یرموک کی جنگ نے اس عہد کی ایک بڑی عالمی طاقت کو سرنگوں کر دیا تھا اور اب دوسری بڑی عالمی قوّت قادسیہ کے میدان میں سر بہ خاک پڑی تھی۔ یوں عمرؓ ایک نئی طاقت کے سربراہ کی حیثیت سے تاریخ کے پردے پر اُبھر آئے تھے۔ حکومت وطاقت کا دو آتشہ نشہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ چڑھ جائے تو انسان کی فطرت کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خُدا اور رعایا کو اپنا بندۂ حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ میں رہتے ہیں۔ اکثر اس طرح بہکتے ہیں کہ انسانیت کو اپنے قدموں میں پامال کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ وسوسہ خود عمرؓ کے اپنے قلب میں بھی پیدا ہو سکتا تھا اور عام مسلمانوں کے دلوں میں بھی کہ اب وہ قیصر وکسریٰ کے جانشین بن چکے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس قسم کے وسوسے کو ابھرنے سے پہلے مَوت کے گھاٹ اُتار دیا اور اعلان کیا کہ بادشاہی صرف ذاتِ خداوندی کو سزاوار ہے۔ مُسلمان اُمّت کا سربراہ کبھی بادشاہ اور شہنشاہ بننے کی جسارت نہیں کر سکتا، وہ اُمّت کا آقا نہیں خادم ہوتا ہے، اُس کا کام یہ نہیں کہ وہ لوگوں کی گردن پر مسلّط ہو کر انھیں اپنی مرضی کے مطابق ہانکے بلکہ اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اُمورِ خلافت کو پوری محنّت ومشقّت اور دیانت وامانت سے سرانجام دے تاکہ لوگ خدا خدا کی زمین پر صرف خدا ہی کے بندے بن کر امن وراحت سے رہیں۔ نہ وہ اُس کے اپنے قدموں تلے پامال ہوں اور نہ کوئی دوسرا اُنھیں پامال کرنے کی جرأت کرے۔ یہ گویا اس پالیسی کا اعادہ تھا جس کا اعلان عمرؓ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کے اندر سیاسی شعور زندہ رہے اور

ریاست میں وہ اپنے اور اپنے سربراہ کے حقیقی مقام وحیثیّت اور فریقین کے حقوق وفرائض کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

۹

قادسیہ نے فارس کی قوّت پر بھاری ضرب لگائی تھی؛ تاہم اپنے عہد کی دو میں سے ایک سپر طاقت آسانی سے سپر انداز نہ ہو سکتی تھی۔ بزنطینی سلطنت کے ساتھ طویل معرکہ آرائیوں نے بلاشبہ اس کے وسائل کو متأثر کیا تھا لیکن یہ وسائل قوّت اتنے محدود بھی نہ تھے کہ ایک ہی جنگ میں دم توڑ دیتے۔ فارس کے پاس لڑاکا افرادی قوّت تھی، سامانِ جنگ تھا اور وسائل بھی۔ ایرانی قلعے اور چھاؤنیاں ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے جہاں لڑاکا قوّت متعیّن تھی۔ پھر بزنطینی سلطنت کے ساتھ مسلسل جنگوں نے نہ صرف اس کی جنگی صلاحیتوں کو جلا دی تھی بلکہ ایرانیوں کو لڑاکا قوم بنا دیا تھا۔ دارالحکومت مدائن ابھی تک محفوظ وسلامت تھا جہاں سے شہنشاہ احکام جاری کر رہا تھا۔ مدائن پر قبضہ کئے اور اس قوّت کو مکمّل توڑے بغیر قادسیہ کی جنگ نہ صرف بالکل بے نتیجہ رہتی تھی بلکہ فارس کو زبردست شکست کے صدمے سے سنبھلنے اور منتشر قوّت کو مجتمع کرنے کا موقع مِل جاتا تو جوابی حملہ بھی کر سکتا تھا؛ چنانچہ سعدؓ نے مدائن پر قبضہ کر لینے کا ارادہ کر لیا، لیکن آگے بڑھنے سے پہلے اسلامی افواج نے دو مہینے قادسیہ ہی میں گزارے۔ قادسیہ کی جنگ اعصابی لحاظ سے سخت تھکا دینے والی جنگ تھی۔ ایک مدّت تک اسلامی افواج دشمن کے سامنے خیمہ زن رہیں۔ اس دوران میں انھیں طویل سرد جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر طول طویل مذاکرات نے اعصاب شکن تھکن میں اور اضافہ کر دیا۔ مزید یہ کہ اس عظیم الشان معرکے میں اگرچہ دشمن کی صفِ اوّل کی فوج پر سخت ضرب لگی تھی لیکن خود مسلمانوں کو کچھ کم نقصان نہیں پہنچا تھا۔ تقریباً آٹھ ہزار مجاہدین شہید ہوئے تھے، یعنی فوج کا تقریباً ۲۵ فیصد۔ ان میں بہت

سے بلند پایہ اصحابؓ رسولؐ بھی تھے۔ زخمیوں کی تعداد مؤرخین نے بیان نہیں کی لیکن اس کا اندازہ شہداء کی تعداد سے کیا جا سکتا ہے۔ نئی مہم شروع کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ وہ کچھ سستا لیتے، اس عرصے میں زخمی بھی شفایاب ہو کر مہم پر روانہ ہونے کے قابل ہو جاتے پھر امیر المؤمنینؓ کی طرف سے پیش قدمی کی اجازت بھی درکار تھی۔

آخر مدینہ سے اجازت آ گئی۔ امیر المومنینؓ نے کمک کے لئے ایک مضبوط فوج بھی بھیجی تھی۔ دو مہینے آرام کرنے کے بعد سنہ ۱۵ھ (۶۳۷ء) کے موسم گرما میں سعدؓ قادسیہ سے مدائن کی طرف بڑھے اور قدیم بابل کی دیواروں تلے خیمہ زن ہوئے۔ یہاں قادسیہ سے بھاگنے والوں نے بڑی تعداد میں پناہ لی تھی۔ بابل نہ صرف ایک تاریخی شہر تھا جس کی عظمت کی داستان اس کے وسیع و عظیم کھنڈر سنا رہے تھے بلکہ اس کا شمار دارالحکومت مدائن کی اہم دفاعی چھاؤنیوں میں ہوتا تھا۔ قلعہ بند فارسی فوج کی کمان فیروزان کر رہا تھا۔ قادسیہ کی شکست نے فارسی حکمرانوں اور ان کے قائم کردہ جاگیرداری نظام کی گرفت عراق کے باشندوں پر سے کمزور کر دی تھی۔ وہ ایک مدت سے ان کے شکنجے میں گرفتار پستے چلے آتے تھے۔ سعدؓ نے امیر المؤمنینؓ کے حکم کے مطابق عام معافی دے دی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ آبادی کے کسی غیر مسلح طبقے سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا وہ بے خوف و خطر اپنے گھروں میں آباد ہو جائیں۔ فارس کی تاریخ میں یہ پہلی فاتح فوج تھی جو مفتوحین کو قتل عام کرنے کے بجائے انھیں امن اور امان کی نوید سنا رہی تھی، جس کے فاتح سپاہیوں کے ہاتھوں ان کی عورتوں کی عزت اور ان کے اموال محفوظ رہے تھے، ایسے صالح اخلاق و کردار کے لوگوں سے انھیں کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ وہ ان سے بے حد متأثر ہوئے۔ بہت سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اکثر انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے اور آبادی میں اچھا خاصا ہم نوا اور ہمدرد عنصر پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں کے بارے میں یہ دلربا تأثر جہاں آگے بڑھتی ہوئی مسلمان فوج کے عقب میں استحکام کا باعث تھا وہاں فارس کے دفاع میں شگاف بھی بن گیا تھا۔ بابل کی طرف بڑھتے ہوئے برسمس کا رئیس بسطام اسی شگاف کا شکار ہوا۔ اس نے صلح کر لی۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے راستے میں آنے والی ندیوں اور نہروں کے پل

توڑ دیے تھے، بسطام نے پل بنوا لیے ان کا ہاتھ بٹایا اور تیزی سے پیش قدمی کے لئے راستہ ہموار کیا۔ بابل میں صف ثانی کے بڑے بڑے ایرانی ہرمزان، مہران، مہرجان وغیرہ قادسیہ سے پسپا ہو کر جمع ہو گئے تھے اور انھوں نے قلعہ دار کی کمان میں از سر نو جنگ کی منصوبہ بندی کر لی تھی، لیکن وہ عملاً بڑھتی ہوئی اسلامی فوج کی کچھ بھی مزاحمت نہ کر سکے۔ ایک ہی جھڑپ میں بھاگ نکلے۔ سعدؓ بابل سے کوثیٰ کی طرف بڑھے۔ اسلامی افواج کا مقدمۃ الجیش زہرہؓ کی کمان میں حسب دستور آگے تھا۔

کوثیٰ تاریخی مقام تھا، نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہیں قید کیا تھا اور قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ کوثیٰ کا کمانڈر شہریار تھا۔ قوی ہیکل، شہ زور، فنون جنگ میں طاق۔ اس نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی کہ کسی میں دم خم ہے تو میدان میں آئے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ چیلنج کے جواب میں زہرہ کے حکم پر بنو تمیم کا ایک مخنی سا غلام نائل بن جعثم میدان میں نکلا، چند لمحے بعد شہریار خاک و خون میں آغشتہ تڑپ رہا تھا۔ کمانڈر کے مرتے ہی فارسی بھاگ کھڑے ہوئے۔ دریائے دجلہ تک راستہ صاف تھا جہاں اس کے دونوں کناروں پر دارالحکومت مدائن کی فصیلیں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔

فارس کے دارالحکومت کو مدائن کا نام عربوں نے دیا تھا۔ یہ دراصل دو شہر تھے۔ دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر سلوکیا آباد تھا اور مشرقی کنارے پر سیسپھان[1]۔

مسلمانوں نے دجلہ کے مغربی کنارے پہنچ کر سلوکیا کا محاصرہ کر لیا اور اسے تین اطراف

---

[1] سیلوکیا یونانی حکمران سلوکس نکاتر نے ۳۱۲ قبل مسیح نے آباد کیا تھا اُس وقت تک بابل فارس کا دارالحکومت تھا اور آبادی کے لحاظ سے اصلاً یونانی شہر اور کئی صدیوں تک اس کا اُس دور کے اہم ترین سیاسی اور تجارتی شہروں میں شمار ہوتا رہا۔ سیسپھان سلوکیا کے دو سو برس بعد بالکل مقابل میں مغربی کنارے پر آباد ہوا اور دوسری صدی عیسوی میں سامانی حکمرانوں نے دارالحکومت بنایا۔ اُس وقت سے یہ فارسی شہنشاہوں کی جاہ و عظمت اور شان و شوکت کا نشان چلا آتا تھا۔

ٹل دیا۔ اب صرف سپیہان کی جانب ہی سے اس کے ساتھ رابطہ قائم رکھا جا سکتا تھا۔ یا کی ناکہ بندی میں یہی سب سے بڑا خلا تھا۔ دارالحکومت سپیہان کے ذریعے یہاں پر فوجی کمک بھی پہنچائی جا سکتی تھی اور رسد بھی، سعدؓ نے نومسلم فارسیوں کی مدد سے بیس منجنیقیں بنوائیں جن کے ذریعے شہر کی دیواروں پر سنگباری کی جانے لگی مگر مستحکم دیواروں کے مقابلے میں یہ سنگباری ناکام ثابت ہوئی۔ ناکہ بندی طویل ہوتی چلی گئی؛ تاہم اس دوران میں سعدؓ نے مختلف اطراف میں فوجی دستے بھیج کر دریائے دجلہ کے تمام مغربی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ یوں مسلمان افواج کا عقب اور پہلو کسی بھی مزاحمت سے بالکل محفوظ ہو گئے۔

یزدگرد نے نئی صورت حال میں سعدؓ کو معاہدۂ امن کی پیش کش کی اور کہا کہ فارسی افواج دجلہ کے مغرب میں تمام علاقے سے دست بردار ہو جائیں گی، دریا عربوں اور فارس کے درمیان سرحد قرار دے دیا جائے گا، عرب دریا کے مشرقی علاقے سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔ یہ پیش کش یزدگرد کی کمزوری کی بھی علامت تھی اور یہ خطرہ بھی اپنے دامن میں لیے ہوئے تھی کہ شہنشاہ دارالحکومت کے دفاع اور مسلمانوں پر جوابی حملے کے لئے وقت چاہتا ہے تاکہ دور دراز کے اندرونی علاقوں سے فوجیں طلب کی جا سکیں اور نئی فوج کھڑی کی جا سکے۔ چنانچہ سعدؓ نے ان دونوں امکانات کے پیش نظر صلح کی تجویز مسترد کر دی۔ سلوکیا کا محاصرہ جاری رہا، چند روز کے بعد مسلمانوں نے محسوس کیا کہ شہر کی فصیلیں خالی ہیں، کہیں کوئی سپاہی نظر نہیں آتا۔ دراصل ایرانیوں نے پوری خاموشی کے ساتھ شہر خالی کر دیا تھا۔ تمام کشتیاں دریا کے پار پہنچا دی گئی تھیں اور پل توڑ دیے گئے تھے[1]۔ مسلمان افواج

---

[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسلمان تین مہینے تک سلوکیا کا جسے وہ بہرہ شیر کہتے ہیں، محاصرہ کئے پڑے رہے۔ آخر طویل محاصرے کی سختیوں نے انھیں باہر میدان میں نکلنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں یزدگرد کا پالتو شیر بھی تھا (اسی لئے عرب مؤرخ اس شہر کو بہرۂ شیر لکھتے ہیں) وہ بھی ایرانی فوج کے آگے آگے تھا۔ اس کی دہاڑ سے میدان گونج اٹھا، پھر وہ غراتے ہوئے مسلمانوں پر جھپٹا۔ حضرت سعدؓ کے بھتیجے ہاشمؓ بن عتبہ لپک کر آگے بڑھے اور تلوار کے ایک ہاتھ سے شیر کے دو ٹکڑے کر دئے۔ اب دونوں (باقی صـــ پر)

حضرت سعدؓ کی قیادت میں شہر کے اندر داخل ہو گئیں، تکبیر و تہلیل کے زمزمے ان کی زبانوں پر تھے۔ سلوکیا اپنی ایک ہزار سالہ حشمت و جاہ اور دولت و ثروت اور عشرت سامانیوں کے ساتھ ان کے قدموں میں تھا۔

دجلہ کے دوسرے کنارے پر کسریٰ کا عظیم الشان سفید محل کھڑا تھا، انسانی ہنرمندی کا شاہکار، جس کے پُرشکوہ برج اور کنگرے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ جو بھی دیکھتا لمحہ بھر کے لئے مبہوت ہو کر رہ جاتا۔ یہ وہ قصر تھا جس کی عظمت و سطوت کا سکہ ایک زمانے سے ایک دنیا پر بیٹھا ہوا تھا اور جس کے شکوہ کی داستانیں عرب بدو اپنے باپ دادا کی زبان سے سنتے آ رہے تھے۔ آج اُن کا ایمان اس پر کند ڈال رہا تھا۔ ضرارؓ بن الخطاب اس منظر سے کچھ ایسے وارفتہ ہوئے کہ بلند آواز میں پکارے: "مسلمانو! یہ کسریٰ کا وہ قصر ابیض ہے جس کی فتح کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔" ضرار کی آواز جس نے سُنی جذبۂ ایمانی اس کی رگ و پے میں دوڑ گیا اور اللہ کی کبریائی سے گونج اُٹھی۔

مسلمانوں کے تیروں اور کسریٰ کے در و دیوار کے درمیان اب صرف دریائے دجلہ حائل تھا، اس رکاوٹ نے ان کی پیش قدمی روک دی تھی۔ مارچ کا مہینہ تھا، پہاڑوں پر اُس سال بارشیں ہوئی تھیں اور دریا طغیانی پر تھا۔ کئی ہفتے گزر گئے، پانی اترنے ہی میں نہ آ رہا تھا۔ پُل توڑ دیے گئے تھے اور کشتیاں موجود نہ تھیں۔ سعدؓ دشمن کو سانس لینے کی مہلت دیے بغیر آگے بڑھنا چاہتے تھے جو بظاہر ناممکن تھا۔ دریا کے پار فارسی تیر اندازوں

بقیہ حاشیہ

فوجیں ٹکرا گئیں۔ زبردست جنگ کے بعد ایرانی بھاگ نکلے اور مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ بعض مؤرخین نے بہرۂ شیر کو ایک الگ شہر بند لکھا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ "مدائن" کے مضافات میں ایرانیوں نے بہت سی حفاظتی چھاؤنیاں تعمیر کر رکھی تھیں یہ بھی ایک ایسی ہی چھاؤنی تھی اور چونکہ سلوکیا کے بالکل جوار میں تھی اس لئے اسے اس کے متعلقات میں شمار کیا جاتا تھا۔ یزدگرد نے صلح کی پیش کش غالباً بہرۂ شیر کی فتح کے فوراً بعد کی تھی۔

کے دستے متعین تھے کہ جونہی مسلمان پیش قدمی کریں، تیروں کی بوچھاڑ کر کے انھیں روک دیں؛ تاہم ان دفاعی تیاریوں کے باوجود فارسیوں کا مورال بُری طرح گر چکا تھا۔ یزدگرد نے بہرہ شیر کے محاصرے کے دوران ہی میں اپنے کنبے کے افراد حلوان بھیج دیے تھے۔ یہ کوہستانِ زغروس کے دامن میں آباد ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ مہران کو دارالحکومت کی کمان سونپ کر اب وہ خود بھی پہاڑوں میں چلا گیا۔ ادھر سعدؓ کسی نہ کسی طریقے دریا پار کرنے کی فکر میں تھے۔ آخر انھوں نے فوجی تاریخ کا ایک حیران کن فیصلہ کر لیا۔ اسلامی لشکر کو جمع کیا اور اس فیصلے کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

"دشمن تک پہنچنے کے لئے دریا عبور کرنا ضروری ہے۔ ہم دشمن کی سرزمین میں ہیں، اُسے مہلت دینے کا مطلب اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ ہمیں یہاں کئی ہفتے ہو چکے ہیں، دشمن اس تاخیر سے فائدہ اٹھانے اور نزدوور سے فوجیں جمع کرنے میں مصروف ہو گا، اس سے پہلے کہ وہ اپنی قوت مجتمع کر کے پھر میدان میں آ جائے، دارالحکومت فتح کرنا ضروری ہے۔ مَیں نے اللہ کے بھروسے پر دریا پار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، آپ لوگ تیار ہو جائیں۔"

سب سے پہلے کتیبۃ الاہوال (ہولناک دستہ) گھوڑوں پر سوار دریا میں داخل ہُوا۔ یہ دستہ ان جوانمردوں پر مشتمل تھا جو نیزہ بازی، تیراندازی اور شمشیر زنی تینوں میں کمال رکھتے تھے۔ جنگِ قادسیہ میں اس دستے نے فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ اسے مشرقی کنارے پر متعین ایرانی فوج کو پیچھے ہٹانے کا کام سونپا گیا تھا تاکہ باقی فوج آسانی سے دریا پار کر سکے۔ مسلمانوں کو بڑھتے دیکھ کر ایرانی تیر برسانے لگے۔ کتیبۃ الاہوال ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے قدم بہ قدم آگے بڑھتا رہا۔ اسی پیش قدمی کے دوران تیروں کی اس طرح بوچھاڑ کی کہ ایرانی کنارہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے اور عاصمؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کنارے پر اتر گئے اس مہم میں صرف ایک مجاہد شہید ہُوا۔

اس اثنا میں اصل فوج بھی دریا میں اُتر گئی۔ ہر شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص سب سے آگے تھے۔ اُن کے ساتھ دائیں جانب سلمانؓ فارسی تھے۔ باقی فوج دو دو کی قطار میں

ان دونوں کے پیچھے چلی جا رہی تھی۔ سعدؓ کی زبان پر قرآن کی آیت حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل (ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین سہارا ہے) جاری تھی۔ گاہے گاہے وہ یقین و اعتماد سے پکار اُٹھتے:

"بخدا اللہ ضرور اپنے دوست کی مدد کرے گا، اپنے دین کو غلبہ عطا کرے گا اور اپنے دشمن کو شکست دے گا، بشرطیکہ اسلامی لشکر میں بغاوت اور گناہ نیکیوں پر غالب نہ ہوں۔"

ایک حیرتناک منظر تھا۔ دریا کا تلاطم جاتا رہا تھا، اس کی شوریدہ سر تند و تیز موجیں مجاہدین کے قدموں میں یوں چپ چاپ لیٹ گئی تھیں، جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے قدموں پر گر کر اُنھیں چومنے لگتا ہے۔ مسلمان گھوڑوں کی باگ تھامے دو دو کی قطار میں آپس میں باتیں کرتے، حمد و تسبیح بیان کرتے، قلب مطمئن کے ساتھ چلے جا رہے تھے، جیسے خشکی پر سفر کر رہے ہوں۔ ایرانی فرطِ حیرت سے چیخنے لگے: دیوان آمدند، دیوان آمدند (جن آ گئے، جن آ گئے) اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسلامی لشکر خیر و عافیت کے ساتھ دریا کے کنارے پر پہنچ گیا۔ نہ تو کوئی آدمی غرق ہُوا تھا اور نہ کوئی شے ضائع ہوئی، صرف ایک سپاہی مالک بن عامر کا چوبی پیالہ دریا میں گر پڑا۔ بعد ازاں وہ بھی مل گیا۔

اسلامی افواج دارالحکومت میں داخل ہوئیں تو وہاں ہُو کا عالم تھا۔ عام آبادی کا بڑا حصہ بھرا پُرا شہر چھوڑ کر پہلے ہی نکل گیا تھا، مسلمانوں کو پیش قدمی کرتے ہوئے دیکھ کر فوج نے بھی شہر چھوڑ دیا تھا اور مشرقی پہاڑوں کی راہ لی تھی۔ باقی ماندہ لوگوں نے کسی مزاحمت کے بغیر سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔ دارالحکومت کی پُرشکوہ عمارتوں اور سرسبز و شاداب وسیع باغات کو دیکھ کر حضرت سعدؓ کی زبان پر سورۂ دخان کی وہ آیات بے اختیار آ گئیں جن میں ایک قوم کے زوال اور اُس کی جگہ لینے والی دوسری قوم کے اُبھرنے کا تذکرہ بڑے عبرتناک، مؤثر اور فصیح و بلیغ مگر مختصر الفاظ میں کیا گیا ہے:

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (۲۵-۲۹)

"کتنے ہی باغات، چشمے، کھیت اور شاندار محل اور عیش و عشرت کے سر و سامان جن میں (غرق ہو کر) وہ زندگی کے مزے لُوٹ رہے تھے، اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ (ایسے لوگوں کا) یہی انجام ہُوا کرتا ہے اور ہم نے ان چیزوں کا وارث دوسروں کو بنا دیا۔ پھر نہ آسمان ان پر رویا نہ زمین اور (جب وقت آگیا تو) انھیں ذرا بھی مہلت نہ دی گئی۔

حضرت سعدؓ اور ان کے ساتھی قصرِ ابیض میں داخل ہوئے اور ان کے سر اپنے رب کے حضور رکوع و سجود میں جھک گئے۔ آٹھ رکعتیں نمازِ فتح پڑھنے کے بعد کسریٰ کے وسیع اور عریض قصرِ خاص میں نمازِ جمعہ ادا کی کہ جس روز مسلمان مدائن میں داخل ہوئے وہ جمعہ کا دن تھا۔ قصرِ خاص کو مسجد کی مستقل صُورت دے دی گئی۔ جس مقام پر تختِ شاہی رکھا تھا وہاں منبر نصب کر دیا گیا۔ یہ عراق کی پہلی مسجد اور اس میں پہلی نمازِ جمعہ تھی جو پڑھی گئی۔

سلوکیا میں بھی بے انتہا مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا مگر یہاں کا عالم ہی اور تھا عمرو بن مقرنؓ غنیمت جمع کرنے پر مامور تھے، مجاہدین اُن کے پاس آ آ کر ہاتھ لگنے والی اشیاء جمع کروا رہے تھے اور جب یہ مال جمع ہو گیا تو نادار و نایاب چیزوں، زر و جواہر، سونے چاندی کے برتنوں اور مجسّموں کا ایک ایسا ڈھیر تھا جس پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ اسی ڈھیر میں ایرانی بادشاہوں کے تاج اور درباری پوشاکیں اور مختلف ملکوں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے دیے ہوئے تحفے، جڑاؤ خنجر، زرہیں، خود اور اور تلواریں تھیں۔ سونے کا ایک بلند قامت گھوڑا تھا جس پر چاندی کی زین کسی ہوئی تھی، سینے پر یاقوت اور زمرّد جڑے تھے۔ اس کا سوار بھی سونے کا تھا جس کے سر پر ہیروں کا تاج تھا۔ چاندی کی ایک اُونٹنی تھی جس کی پالان اور مہار سونے کی تھی، مہار میں بیش بہا ہیرے پروئے ہوئے تھے، اونٹنی کا سوار سونے کا تھا اور سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصّع، نادر ترین شئے ایوانِ کسریٰ کا فرش تھا جسے ایرانی بہار کہتے تھے اس ساٹھ مربع گز قالین کی زمین طلائی تھی اور حاشیے پکھراج کے۔ وسط میں سبزے کا چمن تھا جس میں سونے چاندی سے بنے ہوئے ہر قسم کے پودے تھے، ان پودوں کے پتے حریر کے تھے اور پھل پھول اور غنچے جواہرات کے پودوں کی روشوں میں سونے چاندی اور جواہرات کی نہریں تھیں۔

بہار کا موسم گزر جاتا تو ایرانی شہنشاہ اپنے مصاحبینِ خاص کے ساتھ اس فرش پر بیٹھ کر بادہ نوشی کرتے۔ شاہانِ فارس کے خزانے بھرے ہوئے تھے اور صرف ان خزانوں سے کوئی ۲۰ کھرب دینار کی دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ مالِ غنیمت جمع کرنے کا کام عام مجاہدین کو سونپا گیا تھا۔ ان کی امانت و دیانتداری کا یہ عالم تھا کہ جس کو جو شے جسے ہاتھ آئی اسی طرح عمرو بن مقرن کی خدمت میں لے آیا۔ چھوٹی سی چھوٹی چیز سے تاجِ شاہی تک میں ذرا بھی کسی نے خیانت نہ کی۔ بعض اللہ کے بندے ایسے تھے کہ بیش بہا نادر اشیاء رات کی تاریکی میں چھپا کر اپنے ساتھیوں کی نگاہوں سے بچتے ہوئے لے کر آئے تاکہ ان کی امانت اور دیانتداری کا چرچا نہ ہونے پائے اور ان کے عمل میں ریا کی کھوٹ نہ ملے۔

(۱۰)

مالِ غنیمت کے چار حصے شریعتِ اسلامی کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کر دیے اور پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں بھیج دیا گیا۔ فرشِ نوشیرواں کا زرنگار تاج اور قدیم یادگار اشیاء بجنسہٖ بھیجی گئیں۔ عبرت و مسرت کا عجیب عالم تھا۔ مالِ غنیمت کا مسجدِ نبوی کے صحن میں انبار لگا تھا جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ یہ مالِ غنیمت قوموں کے عروج و زوال کے ایک سبق آموز پہلو کی نشاندہی کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ قومیں نہ تو مادّی عشرت سامانیوں کے بل پر عروج اور سربلندی حاصل کرتی ہیں اور نہ سر و سامان انھیں زوال کی پستیوں میں گرنے سے بچا سکتا ہے۔ اس کارزارِ حیات میں فتح مندیوں اور سربلندیوں کے بھی کچھ اور اسباب و عوامل ہوتے ہیں اور شکستوں اور ناکامیوں کے بھی۔ قوموں کے پرکھنے اور تولنے کی کسوٹی اور میزان اس سے بالکل مختلف ہے جو مادّہ پرستی کے خوگر لوگ سمجھتے آئے ہیں۔ مسرت کے جذبات اور عبرت کی اس فضاء میں امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے جو تقریر کی اس میں تاریخ کی اسی عظیم حقیقت کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ فرمایا:

"کسریٰ اپنی سلطنت کی وسعت، اس کی خوش حالی اور اس کی قوت کے نشے میں سرشار تھا۔ آج اللہ نے اس کے غرور و تکبر کو سر کے بل گرا دیا ہے، وہ اپنے سرکش اور باغی بندوں کو ایسے ہی حشر سے دوچار کرتا ہے، یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اگر مسلمانوں نے بھی اپنے اللہ سے سرکشی کی تو اُن کا حشر بھی یہی ہوگا۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ جو قوم اس کی نافرمانی کرتی اور بغاوت و سرکشی کی زندگی اختیار کرتی ہے، ایک نہ ایک دن حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے"

امیر المومنین کے الفاظ جیسے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے تھے، مجمع پر خاموشی طاری تھی۔ عروج و زوال کی اس عینی شہادت کے ساتھ مل کر امیر المومنین کے ارشادات کا تاثر اور شدید ہو گیا تھا اور آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اس خاموشی میں امیر المومنینؓ کی آواز پھر بلند ہوئی:

"سراقہؓ بن جعشمؓ کہاں ہیں؟"

سراقہؓ نے جو فضا کے تاثر میں گھوئے چپ چاپ کھڑے تھے، عرض کی: "امیر المومنینؓ میں حاضر ہوں"۔ فرمایا: "آگے آؤ"۔ وہ بڑھ کر قریب پہنچے۔ امیر المومنینؓ نے انھیں اپنے ہاتھ سے کسریٰ کے کنگن اور مرصع تاج پہنایا۔ اور پھر جیسے گردشِ ایام لوٹ آئی۔ کتنی ہی آنکھوں میں تاریخ کا ایک عجیب سا منظر پھر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا رہے ہیں، حضورؐ کے قریب ترین صحابی اور دوست ابوبکر صدیقؓ ہم رکاب ہیں، کفارِ مکہ تعاقب میں ہیں۔ ہر آن یہی خطرہ ہے کوئی پہنچا کہ پہنچا۔ پھر ابوبکرؓ دیکھتے ہیں دُور ریت کے ٹیلے پر ایک ہیولیٰ سا نمودار ہوتا ہے۔ ہیولیٰ دم بدم قریب تر آتا جا رہا ہے اور پھر وہ گھڑ سوار میں تبدیل ہو جاتا ہے جو تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ابوبکرؓ مضطرب ہو جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: "اے اللہ کے رسولؐ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، گھڑ سوار قریب آ چکا ہے"۔ حضورؐ سرورِ کائنات تشفی دیتے ہیں، فاصلہ گھٹتا چلا جاتا ہے۔ اب گھڑ سوار صاف پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ جعشم کا بیٹا سراقہ ہے۔ سراقہ کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک رہا ہے کہ آخر اس نے تیرب کے ان مسافروں کو آلیا جن کو گرفتار کرنے پر مکہ کے اکابر نے اونٹ بطور انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ اچانک سراقہ کا گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے اور اس کے پاؤں ریت میں دھنس

جاتے ہیں۔ سراقہ نیچے اتر کر گھوڑے کو نکالتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے ایک ٹھوکر اور لگتی ہے اور گھوڑے کی ٹانگیں پھر ریت میں دھنس جاتی ہیں..... سراقہ پے در پے رونما ہونے والے اس حادثے کی تہ کو پہنچ جاتا ہے۔ آگے بڑھ کر معافی کا خواستگار ہوتا ہے، کلمۂ شہادت اس کی زبان پر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُسے دامنِ رحمت و شفقت میں لے لیتے ہیں، فرماتے ہیں: "سراقہ میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں"۔ وحیِ الٰہی سے حرکت میں آنے والی زبانِ حقیقت ترجمان سے پندرہ برس پہلے نکلی ہوئی بات آج سچی ہو گئی تھی۔ مدینہ کی فضا اللہ کی کبریائی کے ذکر سے مرتعش ہو گئی، بہت سے لوگوں پر رقت کا عالم طاری تھا اور آنکھوں کے سوتے رس رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جذبات کی اس رَو کو ایک نیا رُخ دے دیا۔ فرمایا:

"لوگو، ربِ ذوالجلال کا شکر ادا کرو جس نے کسریٰ جیسے عظیم فرمانروا سے سلطنت چھین لی۔ وہ کہتا تھا میں ہی لوگوں کا رب اور آقا ہوں، آج خدائے حقیقی نے عرب کے ایک بدو نشین کو اس کے کنگن اور تاج پہنا کر اپنی قدرت تمہیں دکھا دی۔ جان لو کہ عزت اور ذلت سب خدائے بزرگ و برتر کے ہاتھ میں ہے"

پھر حضرت عمرؓ نے محلم نامی ایک اعرابی کو بلایا۔ وہ بڑے ہی وجیہہ و شکیل اور متناسب قامت تھے۔ انھیں نوشیرواں کے ملبوسات پہنانے کا حکم دیا۔ یہ ملبوسات وہ مختلف اوقات میں پہنا کرتا تھا۔ سواری کے ملبوسات، سیر و شکار کے ملبوسات، دربار کے ملبوسات، جشن کے ملبوسات، تہنیت کے ملبوسات چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاجِ زرنگار پہنایا گیا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دنیا کی بے ثباتی اور انسانوں کی خدائی اور حکمرانی کی حقیقت آشکارا ہو گئی۔ اب آپؓ نے مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔ فرش "بہار" کے بارے میں اکثر لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے اور اسے تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ رکھا جائے، لیکن حضرت علیؓ نے اصرار کیا کہ اسے تقسیم ہونا چاہیے۔ انھوں نے اپنی رائے کے حق میں یقیناً دلائل دیے ہوں گے، لیکن تاریخ انھیں محفوظ نہ رکھ سکی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا؛ چنانچہ "بہار" پر خزاں آ گئی۔ فرش

کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ دیے گئے۔ ایک ایک ٹکڑا اتنا بیش قیمت تھا کہ بیس بیس تیس تیس ہزار دینار میں فروخت ہُوا۔ آج زندگی کا جو نقطۂ نظر بن گیا ہے اور انسان نے ذوقِ لطیف اور فن و ثقافت کے جو معیار تراش رکھے ہیں اُن پر پرکھ کر وہ اسے ایک وحشیانہ حرکت قرار دے گا، لیکن خود انسان کی انسانیت کی بقا اور اُس کے عزّ و شرف کے زاویۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک بالکل صحیح اقدام تھا۔ سونے چاندی اور جواہرات کے بیش بہا انبار کو فقط جام و ساغر لنڈھانے کے لئے وقف کئے رکھنے سے بڑا ظلم انسانیت پر اور نہیں ہو سکتا، خصوصاً جبکہ عام انسان افلاس و نکبت اور عشرت کی چکّی میں پس رہے ہوں، فارس اور دوسری حکومتیں جس نظام پر قائم تھیں اس کا بنیادی وصف یہی تھا کہ وہ عام رعایا کا لہو نچوڑ کر جاگیرداروں کا خزانہ بھرتا تھا اور یہ خزانہ بادشاہ کے خزانے کا حصّہ بنتا تھا جس پر بادشاہ، شاہی خاندان، اعیانِ و اکابرِ سلطنت سب عیش و عشرت کی بساط بچھاتے نغمہ و سرود کی محفلیں جماتے اور جام و سبو انڈیلتے۔ انسانوں کے خون سے بنے ہوئے سامان کو وہی لوگ نادرِ روزگار قرار دے کر محفوظ رکھ سکتے ہیں جن کی نظر میں انسان نہیں سونا چاندی اور قیمتی دھاتیں اور پتھر اہمیت رکھتے ہیں، جو انسان کو اُس کی انسانیت کی بنا پر نہیں اِس لئے عزیز رکھتے ہیں کہ اُس کے لہو سے آرٹ اور فن کے لامثال نمونے تخلیق کئے جا سکتے ہیں۔

اسلام اس پورے نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے آیا تھا جو اس وقت دنیا میں نافذ تھا اور جس نے انسانوں کو انسانوں کا خدا بنا رکھا تھا؛ یہ خدا ان کے ساتھ جیسا بھی سلوک رَوا رکھتے بجا تھا۔ ان کی ثقافت، ان کے آرٹ کے نمونے، ان کی صنّاعی کے عظیم شاہکار اور ان کی ہوس رانیوں اور لذّت سامانیوں کے سروسامان درحقیقت ظلم و استبداد اور خدا کی نافرمانی اور سرکشی پر مبنی اس نظام کا مظہر ہوتے ہیں۔ ان کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محفوظ رکھنے والوں کے دلوں میں کسی نہ کسی درجے میں خدا کے باغی اس نظام اور اس کی باقیات سے محبت موجود ہے۔ یہی محبت آگے چل کر انھیں گمراہ کر سکتی اور کج رَو بنا سکتی ہے۔ فرشِ بہارِ فارس کی خدا سے باغی تہذیب و ثقافت اور اُس کے بگڑے ہوئے مطلق العنان اور مسند نظام کی شہکار علامت تھا اس علامت کے ٹکڑے

ٹکڑے کر کے بانٹ دینے کے معنی یہ تھی کہ صدیوں سے قائم اس نظام کو آخر کار پارہ پارہ کر دیا گیا ہے اور خدا کے بندوں کی جس امانت کو اس نظام کے علمبرداروں نے ان سے چھین کر اپنے خزانے بھر لیے تھے اب وہ امانت انھیں واپس کی جا رہی ہے۔ آئندہ نہ کوئی کسریٰ ہو گا اور نہ کوئی شہنشاہ اور نہ کوئی خدا کے بندوں کے حقوق اپنی خدائی کے نام پر غصب کر سکے گا۔

○

ایرانی شہنشاہ یزدگرد نے حلوان کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ مفتوحہ علاقوں سے ایرانی سپاہی اور جرنیل بھاگ بھاگ کر وہاں پہنچ رہے تھے؛ یزدگرد بھی مایوس ہو کر نہیں بیٹھ رہا تھا۔ اس نے فارس کے اندرونی علاقوں سے فوجیں جمع کرنا شروع کر دی تھیں، وہ پھر ایک نئی فوج کھڑی کر کے مقابلے میں آنا چاہتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ قادسیہ کے زخم مندمل ہو چلے تھے، ہمتیں پھر سے بندھنے لگی تھیں، قومی زندگی اور روایتی نظام کی بقا کا جوش و جذبہ دوبارہ روح و دل میں متحرّک ہو چلا تھا۔ ایرانی چاروں طرف سے قومی نغمے الاپتے، بہادری کے گیت گاتے، بزرگوں کی شجاعت اور کامرانیوں کے واقعات سے رگ و پے میں حمیّت و غیرت کی آگ جگاتے حلوان میں مجتمع ہو رہے تھے۔ بھوکے ننگے عربوں سے نبٹنے کے جذبے نے عام آدمی اور سپاہیوں کو ایک نئی زندگی سے سرشار کر دیا تھا۔ فوج تیار ہو چکی تو وہ پوری شوکت و قوت کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھی۔ مہران کی کمان میں ایک زبردست لشکر نے جلولا پر قبضہ کر لیا۔ جلولا موجودہ جبلِ حمرین کے دامن میں عراق کے وسیع میدان میں وسیع و عریض مستحکم قلعہ تھا، چاروں طرف گہری خندق تھی۔ دشمن کے بڑھنے کی خبر مدائن میں سعدؓ کو پہنچی تو انھوں نے امیرالمؤمنین عمرؓ بن خطاب کو رپورٹ دی اور ہدایات طلب کیں۔ حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو مدائن سے آگے پیش قدمی کرنے کی مکمّل ممانعت کر دی تھی اس لئے اُن سے اجازت لینا ضروری تھا۔ حضرت عمرؓ نے نہ چاہتے ہوئے بھی سعدؓ کو پیش قدمی کرنے کی اجازت دے دی۔ بصورتِ دیگر ایرانی میدانی شہروں میں یکے بعد دیگرے پھر سے قدم جما سکتے تھے اور صورتِ حال سنگین ہو سکتی تھی۔ اجازت ملنے پر سعدؓ نے ہاشم بن عتبہ بن ابی

وقاص کو بارہ ہزار منتخب روزگار سرفروش دے کر بھیجا۔ قلعہ کا محاصرہ کئی مہینے تک جاری رہا۔ اس عرصے میں ایرانی کئی بار قلعے سے باہر نکل کر جنگ آزما ہوئے لیکن منہ کی کھائی۔ آخر ایک روز جم کر لڑائی ہوئی، ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے پہاڑ کے دامن کے ساتھ ساتھ خانقین تک تعاقب کیا اور گشتوں کے پشتے لگا دئے۔ یزدگرد نے جلولا کے سقوط اور دوسری ایرانی فوج کی تباہی کی خبر سُنی تو حلوان سے بھاگا اور شمالی ایران میں رے کو اپنا مستقر بنالیا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اسی زمانے میں ایک دستہ ضرارؓ بن خطاب کی کمان میں تکریت پر قابض ہوگیا اور پھر اس نے موصل پر قبضہ کر لیا۔ اب ضرارؓ ماسبذان کی طرف بڑھے جہاں ایک بار پھر زبردست ایرانی لشکر مجتمع ہو رہا تھا۔ بھاری جنگ کے بعد ایرانی پسپا ہوگئے۔ ۶۳۸ء ختم ہو رہا تھا کہ مسلمان زیریں دجلہ اور فرات کی وسیع اور زرخیر وادی پر قبضہ کر چکے تھے۔ ان معرکوں میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اُس کا خمس مدینہ پہنچا۔ لاتعداد زر و جواہر درہم و دینار اور دوسری اشیاء کا ڈھیر دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا:

"امیرالمومنین، یہ تو مقامِ مسرّت ہے اور آپؓ رو رہے ہیں؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

"مجھے اندیشہ ہے کہ یہ مال و دولت کہیں مسلمانوں کو فتنہ میں نہ مبتلا کر دے، کیونکہ دولتِ دنیا اور رشک و حسد میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔"

حضرت سعدؓ نے مختلف معرکوں کی رپورٹ دیتے ہوئے لکھا کہ امیرالمومنین، عراقِ عرب کی آخری سرحد تک مسلمان قبضہ کر چکے ہیں، اجازت ہو تو خاص فارس کے علاقے میں پیش قدمی کر کے یزدگرد کا تعاقب کروں۔

اب تک ایرانیوں کے ساتھ جنگیں میدانوں اور صحرا کے ساتھ پھیلے ہوئے علاقوں میں ہوتی رہی تھیں۔ آگے پہاڑ تھے اور صحرا اور وادیوں میں رہنے والے مسلمان پہاڑی لڑائیوں سے شناسا نہ تھے اور حضرت عمرؓ ان پہاڑوں میں الجھنے سے گریز کرنا چاہتے تھے، چنانچہ انھوں نے جواب میں لکھا:

"کاش ہمارے اور ایرانیوں کے درمیان ناقابلِ عبور دیوار حائل ہوتی کہ نہ

وہ ہماری طرف آسکتے اور نہ ہم ان کی طرف جا سکتے۔ جو علاقہ فتح ہو چکا ہے، وہی کافی ہے، اس علاقے کا انتظام کرو۔ آگے بڑھنے میں بہرحال مسلمانوں کا خون بہے گا اور میرے نزدیک ایک مسلمان کا خون بھی بڑی سے بڑی سلطنت سے زیادہ قیمتی ہے ہم نے ایرانیوں کو عرب کی حدود سے باہر دھکیل دیا ہے ان کے ملک (فارس) پر ہم بلاوجہ حملہ نہیں کریں گے۔"

اس حکم سے حضرت سعدؓ کی جنگی مہم اختتام کو پہنچ گئی۔ اب مفتوحہ علاقے کی امارت کا عظیم منصب ان کی صلاحیتوں کو دعوتِ آزمائش دے رہا تھا۔

(۱۱)

شہری علاقوں کا انتظام میدانِ جنگ میں فوجوں کی قیادت کرنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اس لئے کہ فوجی جرنیل کو اپنی ساری قوتیں اور صلاحیتیں ایک متعین ہدف پر مرکوز کرنا ہوتی ہیں۔ وہ اس ہدف کو سامنے رکھ کر سوچتا، منصوبہ بندی کرتا اور عملی اقدامات کرتا ہے۔ اگرچہ یہ کام بھی کچھ آسان نہیں، تاہم اپنی ساری وسعتوں اور گہرائیوں کے باوجود چونکہ محدود ہوتا ہے، اس لئے ایک باصلاحیت فوجی قائد میدانِ جنگ میں ملنے والی مسلسل تربیت اور تجربے کی مدد سے اس محدود کام کو بخوبی انجام دے لیتا ہے۔ یہ تربیت اور تجربہ نظم و نسق کے امور میں بھی مددگار ثابت ہو سکتا ہے؛ تاہم ضروری نہیں کہ ہر بڑا جرنیل شہری انتظامی اُمور میں بھی کامیاب ہو کہ یہ اُمور محدود و متعین نہیں، انسانی زندگی کی طرح ہمہ پہلو اور متنوع ہوتے ہیں۔ بارہا ایسا ہوا کہ جنگ کے منصوبے بنانے اور فوجوں کو لڑانے والوں کو نظم و نسق کی ذمہ داریاں سونپی گئیں یا انھوں نے از خود فوج کی قوت کو اپنا ہم نوا بنا کر سنبھال لیں، مگر ناکام رہے اور حالات کو ایسے بگاڑ دیا کہ پھر سنور نہ سکے۔ نومفتوحہ علاقوں میں انتظامی اُمور کو سنبھالنا، پُرامن حالات میں حکومت کی مشینری چلانے سے کہیں کٹھن ہوتا ہے۔

بے تک جنگی قوانین نافذ کرکے عام آبادی کو فی ہو میں رکھا جاسکتا ہے، سخت سزائیں دے کر دہشت طاری کرکے امن کی فضا بھی پیدا کی جاسکتی ہے اور معمول کے مطابق روزمرہ کے کام بھی نبٹائے جاسکتے ہیں، لیکن دوں کو جیتنا، ان کے مسائل حل کرنا اور فاتح اور مفتوح کے درمیان اعتماد اور ایسے تعلقات پیدا کرنا کہ فاتح اپنے آپ کو فاتح نہ سمجھیں اور نہ مفتوح مفتوح، مفتوحہ علاقے کے نظم ونسق کو نئے خطوط پر استوار کرنا اور پوری اجتماعی زندگی کو جبر وتشدد کا کوڑا استعمال کئے بغیر فکر وعمل کے نئے سانچے میں ڈھالنا بڑا ہی کٹھن ہوتا ہے۔ مسلمان فاتح افواج کے جرنیلوں کو مفتوحہ علاقوں میں یہی کٹھن کام درپیش تھا۔ اس کام کی کٹھنائیاں اس لئے بھی کچھ زیادہ بڑھ گئی تھیں کہ فاتحین بدوی زندگی کے افکار وتمدن میں پلے بڑھے تھے۔ ان کے یہاں جو حضری زندگی تھی وہ بھی متمدن اور صدیوں کی تہذیبی ترقیوں کی وارث اقوام کے نزدیک بدوی زندگی کی ہی قدرے ایک ترقی یافتہ شکل تھی۔ اُن کی سوچ، اُن کا اندازِ عمل، اُن کا مزاج، اُن کا ذہنی اُفق اُس زندگی، اُس کی سوچ، اُس کے طور طریق اور اُن کے ذہن وعمل سے بالکل مختلف تھا جس سے انھیں واسطہ پڑا تھا اور جسے پہلی بار قریب سے دیکھنے اور اس کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا۔

سعد بن ابی وقاص کیلئے نئے فرائض اہم بھی تھے اور کٹھن بھی۔ انھوں نے ایران کے دارالحکومت کو جسے عربوں نے مدائن کا نام دے دیا تھا، مفتوحہ علاقے کا صدر مقام بنایا اور نظم ونسق کی طرف توجہ دی۔ جلد ہی اس میدان میں ان کی صلاحیتیں سامنے آگئیں۔ وہ بہترین گورنر ثابت ہوئے۔ اپنی فراست اور تدبر سے ان تمام مسائل کو بحسن وخوبی حل کیا جو ایک نئے نظام کو اجتماعی زندگی کا معمول بناتے ہوئے پیش آتے ہیں۔ مفتوحہ علاقے کی مردم شماری اور زمین کی پیمائش کروائی۔ اراضی کی ملکیت کے بارے میں بنیادی فیصلے کئے۔ ملکیتی زمین کو اصل مالکوں کے قبضے میں رہنے دیا۔ اُفتادہ اور غیر ملکیتی اراضی بے زمین کسانوں اور مستحق افراد میں تقسیم کردی۔ ساتھ ہی ساتھ زمین کی آبادکاری اور رفاہی کاموں کا اہتمام کیا۔ چھوٹی بڑی نہریں کھدوائیں۔ آمدورفت کی آسانی کے لئے دریاؤں اور ندیوں پر پل تعمیر کروائے۔ مسافروں کے لئے سرائیں بنوائیں۔ مالی امور کو بھی ازسرِنو منظم کیا۔ مالیہ کے

قوانین پر نظرثانی کرکے انھیں منصفانہ صورت دی۔ غیر مسلم آبادی کے جان ومال اور آبرو کے تحفظ اور سلامتی کو اسلامی شریعت کے مطابق ریاست کی ذمہ داری قرار دیا اور چونکہ وہ ان واجبات سے مستثنیٰ تھے جو اسلامی ریاست کے مسلمان شہریوں کو ادا کرنے پڑتے ہیں اس لئے ان پر ایک الگ ٹیکس (جزیہ) لگایا۔ پرانا عدالتی نظام ختم کرکے اسلامی عدل وانصاف کا آسان نظام نافذ کیا جس کی نظر میں چھوٹے بڑے، امیر غریب اور حکمراں اور رعایا سب برابر تھے، جو بڑی تیزی سے کام کرتا اور بغیر تاخیر کے بے مزد انصاف فراہم کرتا۔ ان اقدامات کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ ودعوت کے مراکز قائم کئے۔ جلد ہی اسلامی نظامِ زندگی کی برکات سے صوبے کی اجتماعی زندگی میں خوشگوار انقلاب آنے لگا جس سے غیر مسلم بہت متاثر ہوئے اور وہ بڑی تعداد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ ان میں اونچے طبقے کے رؤسا بھی تھے اور متوسط اور نچلے طبقات کے عام افراد بھی۔ بعض مقامات پر تو لوگوں نے گروہ در گروہ اسلام قبول کیا[1]۔ شہروں اور قریوں میں مسجدیں تعمیر ہوئیں اور عراق کی سرزمین میں خدائے بزرگ وبرتر کی یکتائی وبے ہمتائی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وسیادت کی شہادت کے زمزمے شب وروز میں پانچ وقت فضا میں بلند ہونے لگے۔ اس طرح مقامی آبادی میں ایک مضبوط عنصر اسلامی زندگی کو اپنا کر اسلامی حکومت کے استحکام اور اسلامی معاشرے کی توسیع وتقویت کا باعث ہوگیا۔ انتظامی اقدامات کے اثرات بھی زندگی پر جلد ہی مترتب ہونا شروع ہوگئے۔ امن وامان کا دور دورہ ہوگیا۔ دولت کی منصفانہ تقسیم، کمر توڑ دینے والے ٹیکسوں کی تنسیخ وتخفیف اور تجارت وزراعت میں ترقی سے خوش حالی نے جنم لیا۔ یوں ایک عام آدمی صدیوں بعد پہلی بار سکون واطمینان کی زندگی سے بہرہ یاب ہوا۔

سعدؓ ہی کے دورِ امارت کا ایک اہم کارنامہ کوفہ شہر کی تعمیر تھا۔ مدائن کی آب وہوا

---

[1] یدخلون فی دین اللہ افواجا کے منظر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حمص ویلم میں شاہی رسالے کے چار ہزار سپاہیوں نے اسلام قبول کیا۔

صحرائی زندگی کے خوگر عربوں کو راس نہیں آ رہی تھی۔ سعدؓ نے امیر المومنین کی خدمت میں رپورٹ پیش کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حکم بھیجا کہ عرب کی سرحدوں میں کسی مناسب مقام پر نیا شہر تعمیر کرو۔ جگہ ایسی ہو جہاں پانی وافر ہو اور میرے اور اس کے درمیان کوئی دریا یا پل حائل نہ ہو (تاکہ ہنگامی حالات میں مرکز سے مواصلاتی رابطہ کسی رکاوٹ کے بغیر قائم رہ سکے) سعدؓ نے دریائے فرات سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر لخمی حکمرانوں کے پایۂ تخت حیرہ کے قریب سرسبز و شاداب اور پھولوں بھرے خطۂ زمین کو منتخب کیا اور ۱۷ ھ میں شہر کوفہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔ سب سے پہلے مسلمانوں کی روایت کے مطابق وسطِ شہر میں اونچی کرسی پر ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی جس میں بیک وقت چالیس ہزار سے زائد آدمی نماز ادا کر سکتے تھے۔ مسجد کے ارد گرد مختلف قبائل کے محلّے بسائے گئے۔ مسجد کے قریب ایوانِ حکومت تعمیر ہوا۔ اسی کے ایک حصّے میں حضرت سعدؓ رہائش پذیر تھے، اسی مناسبت سے یہ ایوان تاریخ میں قصرِ سعدؓ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ساتھ بیت المال اور مہمان خانے کی عمارتیں تعمیر ہوئیں اور ان کے قریب فوج کی بیرکیں اور مکانات۔ اس طرح ایک عظیم الشان شہر وجود میں آ گیا۔ بنیادی طور پر یہ ایک فوجی چھاؤنی تھا جسے مفتوحہ صوبے عراق عرب کا دارالحکومت قرار دے دیا گیا۔ آنے والے ماہ و سال میں اس شہر نے اسلامی تاریخ میں مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں اور نتائج کے لحاظ سے دور رس کردار ادا کیا۔ یہ شہر ان سیاسی ہنگاموں کا مرکز رہا جنھوں نے اُمّت کو مستقل طور پر پھاڑ ڈالا۔ علمی لحاظ سے بھی اس شہر نے بہت سی اہم شخصیات پیدا کیں جن میں امام ابوحنیفہؒ سرِفہرست ہیں۔

○

ذمّہ داری کوئی بھی ہو کٹھن ہوتی ہے اور اسے نباہنا جوئے شیر لانا ہوتا ہے۔ خصوصاً حکومت و امارت کی ذمّہ داری دوہری مصیبت ہے۔ یہ کوہ کنی بھی ہوتی ہے اور کانٹوں کا تاج اور سیج بھی۔ اس کا تعلّق انسان کے اپنے فرائض ہی سے نہیں ہوتا دوسرے لوگوں کے

حقوق سے بھی ہوتا ہے۔ اپنے فرائض اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی سے کسی حکمراں اور امیر کے دامن پر داغ ناکامی ہی نہیں لگتا بلکہ اس کے نتیجے میں معاشرے اور عوام پر جو اخلاقی و اجتماعی اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی جواب دہی بھی کرنی پڑتی ہے۔ دنیا میں اس کی جواب دہی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا یا وہ اس سے بچ نکلتا ہے۔ تو آخرت میں بہرحال وہ بچ نہیں سکتا جہاں اُسے زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ جواب دہی کے اس تصوّر کو کافر نہیں مانتے تو نہ مانیں ایک مسلمان کو تو اس پر حق الیقین ہوتا ہے اسی لئے خوفِ خدا رکھنے والے اور آخرت کی بازپرس سے لرزاں و ترساں اہلِ ایمان نے حکومت و امارت کی ذمّہ داریوں کو قبول کرنے سے ہمیشہ گریز کیا ہے اور اگر یہ ذمّہ داری ان پر ڈال دی گئی ہے تو انھوں نے قوم کا حق ادا کرنے میں زندگی کا آرام تج دیا ہے اور اپنے آپ کو مٹا ڈالا ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص خاصانِ خدا میں سے تھے۔ اللہ نے انھیں صلاحیتوں سے نوازا تھا، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت و تربیت نے ان صلاحیتوں کو جلا بخشی تھی۔ وہ اصحابِ رسولؐ میں سے تھے جنھوں نے اسلامی مملکت کی سرحدوں کو وسعت دینے اور پھر مفتوحہ علاقوں میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے اور اسلام کی فکری اور تہذیبی و تمدنی قدروں کو معاشرے کی بنیاد بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت عمرؓ ایسے سخت گیر اور مردم شناس حکمراں نے انھیں ایرانی محاذ پر اسلامی افواج کی قیادت اور مفتوحہ عراق کی گورنری سونپی تھی اور وہ ان کے کام سے مطمئن تھے کہ دارالخلافہ میں ان کی شکایات پہنچنے لگیں۔ حضرت عمرؓ اپنے عمّال کے طرزِ عمل پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ کسی کی کوئی شکایت پہنچتی اُس کی فوراً تحقیق کرواتے۔ شکایت درست ہوتی تو اُسے اپنی حکومت کے وقار کا مسئلہ بنانے کے بجائے سخت بازپرس کرتے اور بسا اوقات اپنے گورنر یا عامل کی اصلی صلاحیتوں کا معترف ہونے کے باوجود اُسے برطرف کر دیتے۔ شکایت یہ تھی کہ سعدؓ نے گورنر ہاؤس کا نام قصرِ سعدؓ رکھ چھوڑا ہے اور قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنالی ہے اور اس میں بڑا پھاٹک لگوا دیا ہے جس کی وجہ سے حاجتمند اور عام آدمی ان تک بے روک ٹوک نہیں

پہنچ جائے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت کے محتسب اعلیٰ محمدؓ بن مسلمہؓ کو فرمان دے کر فوراً کوفہ بھیجا۔ فرمان لکھا تھا۔ اگر شکایت درست ہے تو بلاشبہ تم نے بلاکت کا محل تعمیر کیا ہے، اس ڈیوڑھی اور پھاٹک کو فوراً منہدم کر دو اور دروازے پر کوئی دربان یا پہریدار نہ رکھو تاکہ لوگ کسی رکاوٹ کے بغیر تم سے مل سکیں۔ محمد بن مسلمہؓ روانہ ہونے لگے تو زبانی ہدایت فرمائی۔ سعدؓ کی اقامت گاہ کی ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں اور جب وہ جل کر راکھ ہو جائے تو واپس آ جائیں۔

محمد بن مسلمہؓ کوفہ پہنچے تو سعدؓ نے انھیں بڑی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا اور بے حد تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے۔ دونوں ایک ہی دعوت کے ماننے والے، ایک ہی راستے کے راہی اور ایک ہی ملت کے فرزند تھے۔ دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت و محبت میں تربیت پائی اور حق کو غالب و سربلند کرنے کی جدوجہد میں دوش بدوش حصّہ لیا تھا۔ وہ خاصی مدت کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے اس لئے ان کی گرم جوشی اور تپاک ایک فطری امر تھا۔ مگر سعدؓ نے اپنے مہمان کو کھانا پیش کیا تو اس کے باوجود کہ لمبا سفر کر کے آئے تھے، معذرت کی اور امیر المومنینؓ کا فرمان پیش کیا۔ سعدؓ نے فرمان پڑھا ان کا جواب یہ تھا کہ گورنر ہاؤس بازار کے قریب ہے اس لئے شور و شغف سے بچنے اور پُرسکون فضا میں حکومت کا کام انجام دینے کے لئے میں نے ڈیوڑھی تعمیر کی، اس پر میں نے کوئی دربان متعین نہیں کیا، لوگ کسی روک ٹوک کے بغیر مجھ تک آتے جاتے ہیں، کبھی کسی کو روکا نہیں گیا۔ رہا گورنر ہاؤس کا "قصرِ سعدؓ" کہلانا تو یہ نام میں نے نہیں رکھا، لوگوں نے از خود مشہور کر دیا ہے اور خود مجھے احساس ہے کہ یہ غلط ہوا ہے لیکن اس کی ذمّہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔

محمد بن مسلمہؓ نے حضرت سعد رضی اللہ کا عذر قبول کر لیا؛ تاہم امیر المومنین کی زبانی ہدایت کے مطابق ڈیوڑھی کو آگ لگا دی۔ مدینہ پہنچے اور امیر المومنین کی خدمت میں رپورٹ پیش کی۔ انھوں نے بھی سعدؓ ابن ابی وقاص کی معذرت قبول فرمائی اور کوفہ کی گورنری پر بحال رکھا۔

کچھ مدت کے بعد پھر شکایات آنے لگیں لیکن اب ان کی نوعیت اور اسباب بالکل دوسرے تھے۔ اگرچہ مخالفت کے پیچھے بنیادی طور پر ایک ہی کارفرما تھا۔ پہلی شکایات بظاہر کچھ نہ کچھ بنیاد رکھتی تھیں اب تو مخالفین اوچھی باتوں پر اُتر آئے تھے۔ کوفہ ایک عسکری چھاؤنی تھی جس میں عرب کی جنگوں میں حصّہ لینے والے قبائل آ بسے تھے۔ مدینہ منوّرہ سے دور رہنے کی وجہ سے ان کے اندر اسلامی فکر و اخلاق نے ابھی پوری طرح جڑیں نہیں پکڑی تھیں۔ وہ اب بھی اپنے رویّوں میں ناتراشیدہ اور اکھڑ تھے۔ پھر فوجی زندگی نے انھیں مزید توڑ اور کرخت بنا دیا تھا۔ ایسی فضا میں ذاتی رنجشیں، حسد، چغل خوری اور الزام تراشی اور کسی بھی وجہ سے اپنے ناپسندیدہ لوگوں کی مخالفت اور عناد سے معرکہ آرائی کی ذہنیت پرورش پانے لگتی ہے۔ ذاتی کمزوریوں کی پردہ پوشی دوسروں کی عیب جوئی سے کی جاتی ہے۔ یہی کیفیت کوفہ کی چھاؤنی میں پیدا ہو چلی تھی۔ ایک چھوٹے سے حلقے میں سعدؓ کے خلاف پہلے ہی چہ میگوئیاں ہوتی رہتی تھیں۔ وہ بیمار ہو جانے کی وجہ سے قادسیہ کی جنگ میں عملاً حصّہ نہ لے سکے تھے اور میدانِ جنگ سے باہر بیس میل دور مدائن میں بیٹھ کر اسلامی فوج کی کمان کرتے رہے تھے۔ لیکن جو لوگ ان کی بیماری سے بے خبر تھے انھوں نے اسے جنگ سے گریز پر محمول کیا تھا۔ حالانکہ سعدؓ ان اصحابؓ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے تھے جنھوں نے کفر و اسلام کے ہر معرکے میں اپنی شجاعت اور جانثاری کے پرچم گاڑے تھے۔ ان کے بارے میں جنگ سے گریز کا تصوّر بھی محال تھا؛ چنانچہ فارسی باتیں زبانوں پر عام آنے لگیں تو سعدؓ نے اپنی معذوری کی وضاحت بھی کر دی تھی؛ تاہم ایک بار جب کوئی بات پھیل جاتی ہے تو وضاحتیں اپنی ساری صداقتوں کے باوجود کانوں سے اس کے اثرات زائل نہیں کر پاتیں۔ پھر کچھ لوگوں کو شکایت تھی کہ سعدؓ نے انھیں مالِ غنیمت ان کی مرضی کے شایانِ شان نہیں دیا۔ یہ شکایت بجائے خود بے جا تھی۔ سعدؓ مالِ غنیمت اور تنخواہیں اور وظائف امیر المومنین کے احکام و ہدایات کی روشنی میں لوگوں کی صلاحیت مرتبہ کار اور کارکردگی کے مطابق تقسیم کیا کرتے تھے جو لوگ جنگوں میں زیادہ نمایاں کارنامے انجام دیتے تھے، انھیں عام مجاہدین سے زیادہ حصّہ عطا کرتا تھا۔ چنانچہ بعض اصحاب اپنے نمایاں

کارناموں کا عام مجاہدین سے نسبتاً زیادہ صلہ پا چکے تھے؛ تاہم وہ مطمئن نہ تھے اور مزید استحقاق جتاتے تھے۔ سعدؓ اسے اصولاً حق بجانب نہ سمجھتے۔ شعر اس زمانے میں سب سے موثر ذریعۂ اظہار ہوا کرتا تھا؛ چنانچہ بعض اصحاب نے متوقع حصہ نہ ملنے کی بنا پر سعدؓ بن ابی وقاص کو شعر کی زبان میں تنقید کا موضوع بنایا۔ سعدؓ نے بارگاہِ خلافت میں ان لوگوں کی شکایت کی تو وہاں سے فرمان صادر ہوا ان حضرات کو خوش کر دیجئے؛ چنانچہ سعدؓ نے اجازت پا کر انھیں مزید دو دو ہزار درہم دے دیے۔ یہ معاملہ تو ختم ہو گیا، تاہم سعدؓ کے خلاف جو فضا بن گئی تھی وہ بدستور چھائی رہی۔

اسی فضا میں ۲۱ھ میں مخالفت کا نیا طوفان اٹھا۔ عراق عرب کی آخری سرحد، سبذان آخری قلعہ تھا جو سعدؓ ہی اعلیٰ کمان میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ آگے فارس کی اصل سرزمین شروع ہوتی تھی۔ سعدؓ نے پیش قدمی کی اجازت چاہی تھی مگر امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ نے ایرانیوں کی سرحد میں داخل ہونے سے روک دیا تھا؛ تاہم ایرانی نچلے نہ بیٹھے تھے۔ وہ از سرِ نو تیاری کر کے میدان میں آ گئے تھے۔ نتیجہ کہ اسلامی حکومت کو بھی اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ ان دنوں بزنطینی سلطنت کے ساتھ شام میں مسلمانوں کی کشمکش جاری تھی اور حمص کے لئے جنگ ہونے والی تھی۔ ایرانیوں نے شکست کھائی ہوئی رومی سلطنت کو بچانے میں ان کے ساتھ تعاون کی کوشش کی۔ سعدؓ نے مختلف اسلامی چھاؤنیوں میں متعین افواج کو عراق عجم کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ کوفہ سے فوج روانہ کی تو جو لوگ شہری زندگی میں ڈوب کر عیش و راحت کے خوگر ہو چکے تھے انھیں پھر سے جنگ کی پر مشقت اور ہلاکت خیز راہوں پر چلنا ناگوار گزرا۔ انھوں نے سعدؓ کے خلاف چہ میگوئیاں شروع کر دیں اور ان پر ایرانیوں کے خلاف دوبارہ جنگ چھیڑنے کا الزام لگایا۔ سعدؓ نے ان کے جہاد سے گریز کرنے کی شکایت امیر المومنین عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجی۔ اس پر یہ لوگ بھڑک اٹھے۔ انھوں نے ایک وفد بنایا اور مدینہ منورہ پہنچ کر بارگاہِ خلافت میں سعدؓ کی شکایت کی۔ نماز کا ادارہ (INSTITUTION) اسلامی حکومت کا بنیادی ادارہ تھا۔ نہ صرف اس کے قیام کا اہتمام اسلامی حکومت کے گورنروں، اعلیٰ حکام ہر سطح کے ذمہ دار عہدیداروں کا فرض تھا بلکہ خود امامت کرنا بھی ان کے سرکاری منصب

میں شامل تھا۔ اسلامی حکومت کے سربراہ اپنے عمّال کی کارکردگی میں نماز کے قیام و اہتمام اور اس کی ادائیگی کو اوّلیں اہمیت دیا کرتے تھے۔ اس کی دو بنیادی وجہیں تھیں۔ ایک تو اسلامی حکومت کا مقصدِ وجود ہی نماز اور زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اداروں کا قیام و اہتمام ہے جو حکومت ان فرائض کو انجام نہیں دیتی وہ سب کچھ ہو سکتی ہے اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی، دوسرے جو شخص انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرض کو انجام نہیں دیتا یا انجام تو دیتا ہے مگر صحیح طور پر انجام نہیں دیتا اور اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، تساہل اور سستی برتتا، وقت بے وقت انجام دیتا ہے ایسا شخص ان فرائض کو ٹھیک ٹھیک اور اس کے تمام ضروری تقاضوں کے ساتھ کیسے انجام دے سکتا ہے جو اسلامی مملکت کا عامل و حاکم یا کارکن ہونے کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ کوفی وفد نے اسی حساس ادارے کے حوالے سے سعدؓ پر وار کیا۔ انھوں نے کہا: سعدؓ صحیح طریقے سے نماز نہیں پڑھاتے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کو دار الخلافہ میں طلب فرمایا اور ان لوگوں کی شکایت کی۔

"بخدا میں تو انھیں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھاتا رہا ہوں اور اہتمام کرتا ہوں کہ ٹھیک ٹھیک پڑھاؤں اور کوئی کمی نہ رہے۔ پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں"۔ سعدؓ نے جواب دیا۔

"ابو اسحٰق، مجھے تم سے یہی توقع تھی"۔ امیر المومنین نے تحسین و مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

کوفی وفد کی شکایت بے بنیاد ثابت ہوئی تھی اور حضرت عمر فاروقؓ نے سعدؓ کے طریقِ عمل کی تائید کر دی تھی؛ تاہم انھوں نے حضرت سعدؓ کے ساتھ ایک تحقیقاتی وفد کوفہ بھیجا۔ وفد کے سربراہ محمد بن مسلمہؓ نے کوفہؓ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے حضرت سعدؓ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ سب لوگوں نے سعدؓ کی تعریف کی اور کہا ہم نے ان کے اندر سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں پایا۔ ان پر عائد کردہ الزام سب کے نزدیک لغو اور صداقت

سے عاری تھا۔ البتہ بنو عبس کی مسجد میں صرف ایک شخص اُسامہ بن قتادہ نے اُٹھ کر کہا تم ہمیں قسم دے کر پوچھ رہے ہو، تو سنو ہم تمہیں بتاتے ہیں سعدؓ فوج کے ساتھ نہیں جاتے تھے، مالِ غنیمت تقسیم کرنے میں مساوات نہیں برتتے اور مقدمات میں عدل و انصاف نہیں کرتے۔ مخالف عنصر نے حملے کا آغاز ٹھیک طور پر نماز نہ پڑھانے سے کیا تھا، اس کا وہ کوئی ثبوت نہ دے سکا تو الزامات کا ایک نیا ترکش تیار کر لیا گیا۔ ان میں سے دو الزامات کی اصل حقیقت سطورِ بالا میں آشکارا کی جا چکی ہے۔ تیسرا الزام بھی یکسر دروغ پر مبنی تھا۔ روایات تو بالکل برعکس صورتِ حال کا پتہ دیتی ہیں یعنی مقدمات کے فیصلے کرتے وقت سعدؓ پر خوفِ خدا طاری ہو جاتا تھا۔ الزام لگانے والا اس کی کوئی مثال پیش نہ کر سکا۔ پھر یہ تو ظاہر تھا سارے کوفہ میں صرف یہی ایک شخص سعدؓ کا مخالف نہ تھا ۔ بہت سے لوگ اس کے ہم نوا ہوں گے، مگر انھیں خود اپنے جھوٹے موقف کا احساس تھا، چنانچہ وہ تحقیقاتی کمیشن کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکے۔ سعدؓ اس صورتِ حال سے سخت ذہنی اذیت میں مبتلا رہے۔ اپنے خلاف لغو الزامات سُن کر تو اُنھیں سخت غصّہ آ گیا۔ ان الزامات کا ہدف اُس شخص کو بنایا جا رہا تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنّت کی بشارت دی تھی اور جس نے ساری زندگی حق کی سربلندی کی جدّوجہد میں سرگرم حصّہ لیا تھا۔ اپنے اس دکھ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"میں عربوں میں پہلا شخص ہُوں جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا۔ ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں غزوات میں شریک ہُوا کرتے تھے اور ہمارے پاس درخت کے پتّوں کے سوا کوئی چیز کھانے کی نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ہمارا فضلہ بھی اونٹ یا بکری کی مینگنیوں کی طرح خشک ہو گیا تھا۔ اس میں ذرا بھی تو خلط نہ رہی تھی اور آج یہ لوگ ہیں کہ اسلام کے سلسلے میں مجھے ملامت کا مستحق قرار دیتے ہیں، جیسے میرا عمل ضائع ہو گیا ہے اور ناکامی و نامرادی میرا مقدر بن گئی ہے۔"

الزامات اور دروغ بافیوں کے طوفان میں سعدؓ اپنے اُجلے براق دامن کے ساتھ

کھڑے تھے۔ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ پر امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے ان کے خلاف تمام شکایات و الزامات مسترد کر دیئے؛ تاہم وہ انسانی نفسیات کے اس پہلو سے بے خبر نہ تھے کہ ایک بار کسی امیر یا عامل کے خلاف صحیح یا غلط شکایات پیدا ہو جائیں یا کر دی جائیں تو پھر اس کی ساری خوبیوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود اُسے اس منصب پر برقرار رکھنے سے مخالفین کے دل و دماغ میں کلبلائے ہوئے نئے نئے فتنوں کے راستے کھل جاتے ہیں اور امّت میں افتراق و انتشار کی روح جنم لینے لگتی ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے؛ چنانچہ انھوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو کوفہ کی امارت سے گورنر عمار بن یاسرؓ کو سونپ کر دارالخلافہ چلے آنے کی ہدایت فرمائی۔

○

کوفہ سے واپسی کے بعد سعدؓ تاریخ کے پردے پر دوبارہ اس وقت نمودار ہوتے ہیں جب مغیرہؓ بن شعبہ کا فارسی غلام ابولولو فیروز امیر المؤمنین عمرؓ بن الخطاب کو نماز پڑھتے ہوئے شدید زخمی کر دیتا ہے۔ دو دھاری خنجر کے پے در پے وار کاری ثابت ہوتے ہیں، آنتیں کٹ جاتی ہیں اور جب صحابۂ کرامؓ کو یقین ہو جاتا ہے کہ امیر المؤمنینؓ جانبر نہ ہو سکیں گے تو وہ ان سے اپنا جانشین نامزد کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ امیر المومنین سوچ بچار کے بعد چھ ممتاز ترین اصحابِ رسولؐ کی انتخابی کمیٹی نامزد کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں لوگ ان میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ مجھے ان لوگوں سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا حق دار نظر نہیں آتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر ان سے خوش رہے[1]۔ ان چھ میں

---

[1] وہ چھ اصحاب جن پر حضرت عمرؓ بن الخطاب ایسے دیدہ ور کی نگاہِ انتخاب پڑی تھی، یہ تھے:
(۱) حضرت عثمانؓ بن عفان (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۳) حضرت سعدؓ بن ابی وقاص (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ایک نام سعدؓ بن ابی وقاص کا تھا۔ کوفہ کی امارت سے معزولی کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ سعدؓ کے بارے میں شک کے کانٹے بعض دلوں میں موجود ہوں گے اس لئے وفات سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کے بے داغ کردار کی گواہی دے کر ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو خراجِ تحسین فرمایا۔ انھوں نے کہا:

"میں نے سعدؓ کو فرائض میں کسی کوتاہی یا خیانت کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا۔ اگر وہ خلافت کے لئے منتخب ہو جائیں تو وہ اس کے اہل ہیں اور اگر وہ منتخب نہ ہوں تو جس پر بھی خلافت کی ذمہ داری ڈالی جائے وہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھائے اور امورِ خلافت میں ان سے مدد لے۔"

تیسرے خلیفۂ راشد کا انتخاب غم و حزن میں ڈوبی ہوئی فضا میں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد تین دن کے اندر اندر خلیفہ منتخب کر لیا جائے؛ تین دن تک انتخابی کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے۔ آرا بٹ چکی تھیں اور متفقہ فیصلے پر پہنچنا مشکل ہو رہا تھا۔ آخر حضرت سعدؓ نے راستہ نکالنے میں پہل کی۔ وہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے خود اپنا نام واپس لے لیا۔ اس طرح میدان میں صرف دو اصحاب رہ گئے۔ حضرت عمرؓ نے انتخابی کمیٹی کا کنوینر عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ وہ اس دوران میں مدینہ میں رائے عامہ کا اندازہ کرتے رہے تھے۔ انھوں نے مہاجرین و انصار سے ملاقات کی جو ELECTORAL COLLEGE انتخابی ادارہ کے ارکان تھے۔ اور ایک ایک سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں رائے معلوم کی اس رائے کی روشنی میں حضرت عثمانؓ بن عفان کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ (۲۳ھ) حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی

(بقیہ حاشیہ) (۴) حضرت زبیر بن عوامؓ (۵) حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ (۶) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، اس وقت کے اسلامی معاشرے پر اور اسلامی ریاست کے حلقۂ انتخاب پر نگاہ ڈالی جائے تو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پیش نظر کردار کے لئے ان اصحاب سے بہتر لوگ فی الواقع اور نہ تھے۔

وصیت کے مطابق حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کو دوبارہ کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ جہاں تین برس تک اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو حضرت عمرؓ کے عہد سے بیت المال کے مہتمم اور منصبِ قضاء پر فائز چلے آئے تھے اختلاف پیدا ہو گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعدؓ کو منصب امارت سے سبکدوش کر کے مدینہ طلب فرما لیا۔ (۲۶ھ)

○

کوفہ سے مراجعت کے بعد حضرت سعدؓ نے مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر آباد ایک گاؤں عقیق میں رہائش اختیار کر لی۔ ملکی سیاست سے قطع تعلق کر لیا اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اس کے بعد وہ تقریباً تیس برس زندہ رہے۔ اس عرصے میں عالم اسلامی میں بڑے بڑے سیاسی اتار چڑھاؤ آئے اور فساد اور فتنے نے امت میں بھونچال کی سی کیفیت برپا کر دی۔ لیکن حضرت سعدؓ ان سب سے دامن کش رہے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ اور اضطراب رونما ہوا اور مفسدین مدینۃ النبیؐ پر چڑھ آئے اور حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت سعدؓ مضطرب ہو کر عقیق سے نکلے، مدینہ منورہ تشریف لائے اور مفسدین کو حتی الامکان سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ لوگ ماننے والے نہ تھے، ان کے سر میں تو خون کا بھوت سوار تھا؛ چنانچہ حضرت سعدؓ مایوس ہو کر واپس عقیق چلے گئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت سعدؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن خانہ جنگی سے الگ تھلگ عقیق کے گوشے میں بیٹھے رہے۔ جنگِ جمل میں بعض لوگوں نے انھیں میدان میں آنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دی تو فرمایا:

"مجھے ایسی تلوار دے دو جس کی آنکھیں زبان اور ہونٹ ہوں، جو یہ بتا سکے کہ یہ شخص مومن ہے اور وہ کافر۔"

جنگِ صفین کے موقع پر جب انھیں پتہ چلا کہ مسلمانوں میں مصالحت ہونے کا امکان

پیدا ہوگیا ہے تو بہت خوش ہوئے، گوشۂ عزلت سے نکلے اور دومۃ الجندل تشریف لے گئے جہاں مصالحت کے مذاکرات ہو رہے تھے، لیکن جب ان مذاکرات کا نتیجہ مصالحت کے بجائے مزید انتشار و افتراق کی صورت میں نکلا تو سخت دل شکستہ اور مایوس ہوئے۔ واپس عقیق چلے گئے اور پھر کسی قضیے میں کبھی دلچسپی نہ لی، زاہد و عابد تو وہ ہمیشہ سے تھے، اب یہ رنگ اور گہرا ہوگیا۔ اونٹ اور بکریاں چراتے اور زندگی کے شب و روز یادِ الٰہی میں کاٹتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کے بعد زمامِ اقتدار حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں آئی اور حضرت حسنؓ مسلمانوں کو باہمی خونریزی سے بچانے کے لئے خلافت سے دستبردار ہو گئے تو حضرت سعدؓ نے امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی؛ تاہم انھیں کبھی امیر المؤمنین تسلیم نہ کیا اور ہمیشہ بادشاہ سمجھا۔ بیعت کے بعد ایک بار امیر معاویہؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے انھیں اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَا المَلِک کہہ کر خطاب فرمایا۔ وہ بولے:

"اگر آپ امیر المؤمنین کہتے تو کیا حرج تھا؟"

حضرت سعدؓ نے جواب دیا: "خدا کی قسم جس طرح آپ کو یہ حکومت ملی ہے اس طریقے سے مجھے مل رہی ہوتی تو میں اس کو لینا ہرگز پسند نہ کرتا۔"

انھیں اضطرابات کے زمانے میں وہ جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے کہ ان کا بیٹا عمرو آیا اور کہنے لگا: — ابّا جان! آپ جنگل میں اونٹ اور بکریاں چرانے میں مصروف ہیں اور لوگ حکومت اور سلطنت کے لئے قسمت آزمائی کر رہے ہیں، ایسے وقت میں آپ کا یوں دُنیا سے کٹ کر الگ تھلگ ایک گوشے میں پڑے رہنا درست ہے؟"

حضرت سعدؓ بیٹے کی بات سُن رہے تھے اور اُن کے چہرے پر کبیدگی پھیلتی جا رہی تھی، وہ اپنی بات کہہ چکا تو اس کی چھاتی پر ہاتھ مارا اور بولے:

"چُپ رہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بندہ بہت پیارا ہے جو پرہیزگار ہو، دو جہان سے غنی ہو اور اپنے آپ کو اور اپنے احوال کو دنیا سے پوشیدہ رکھے۔"

یُوں دنیا اور اس کی مکروہات سے ہاتھ جھاڑ کر عمر کے باقی دن عزلت نشینی میں گزار دیے۔ وقت کے ساتھ قویٰ میں اضمحلال پیدا ہوتا گیا حتیٰ کہ ضعفِ پیری غالب آگیا، بینائی بھی جاتی رہی۔ ڈوبنے والا سورج انھیں دارِ فنا سے دُور اور عالمِ جاوید سے ہمکنار کیے جا رہا تھا۔ دارِ فنا جس کی لذتوں اور شادکامیوں سے وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے وقت ہی دستبردار ہو گئے تھے اور عالمِ جاوید جس سے ہم کناری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضری اب ان کی سب سے بڑی اور واحد آرزو بن گئی تھی۔ آخر ۵۵ ھ میں وہ ساعتِ منتظر آپہنچی۔ کئی روز پہلے انھیں احساس ہوگیا تھا کہ اب فراقِ محبوب کے ایّام کٹنے والے ہیں۔ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے مال کی زکوٰۃ نکالی جو پانچ ہزار درہم نکلی۔ پھر وصیّت کی کہ غزوۂ بدر میں مَیں نے جو اُونی پیرہن پہن رکھا تھا، اُسی میں لپیٹ کر مجھے دفن کر دیا جائے۔ میرے لئے لحد کھودی جائے اور قبر پر کچی اینٹ نصب کر دی جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قبر بنائی گئی تھی۔ — سعد رضی اللہ عنہٗ کے انتقال کی خبر مدینہ منورہ میں پھیلی تو کہرام مچ گیا۔ وہ ان بزرگ ہستیوں میں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیّت میں ایک عہد تعمیر کیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد خود ایک عہد بن گئے۔ وہ بزرگ اور بابرکت ہستیاں ایک ایک کر کے اُٹھتی جا رہی تھیں۔ خیر و صلاح اب بھی اس معاشرے میں غالب تھے اس لئے جب بھی کوئی بزرگ ہستی عالمِ فانی سے کوچ کرتی اس کا دُکھ اور غم و ملال سارا معاشرہ محسوس کرتا۔ سعد رضی اللہ عنہٗ کی رحلت پر یہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ عقیق سے جنازہ لایا گیا تو سارا مدینہ اُمڈ پڑا۔ نمازِ جنازہ مسجدِ نبویؐ میں مدینہ کے گورنر نے پڑھائی۔ امہات المؤمنینؓ میں اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امّ سلمہؓ حیات تھیں انھوں نے اپنے حجروں میں نماز ادا کی۔ پھر جنّت البقیع میں دفن کر دیے گئے۔

○

سعدؓ السابقون الاوّلون میں سے تھے۔ ۱۷ برس کے تھے جب مسلمان ہُوئے۔ اسلام لانے کے بعد زندگی کا بڑا حصّہ جہاد و غزا میں گزرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی معیّت میں صعوبتیں اور مصائب و شدائد جھیلے۔ بدری صحابہ میں تھے جن کا مقام اسلامی معاشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی اور حضورؐ کے بعد آج تک سب سے بلند گنا جاتا ہے اور جن کے بارے میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی ہے، اب وہ جو جی چاہے کریں، اللہ ان سے باز پرس نہیں کرے گا۔ اُحد کی لڑائی میں وہ ان معدودے چند افراد میں سے تھے جو سخت افراتفری کے عالم میں بھی آخر وقت تک ثابت قدم رہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمنوں کے پے در پے حملوں کو روکتے رہے۔ بیعت رضوان میں شرکت کا شرف بھی انھیں حاصل ہوا۔ اس طرح وہ ان سعادت مند افراد میں سے تھے جنھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مُبارک پر بیعت کر کے اللہ کی رضا اور خوشنودی کی وہ بشارت حاصل کی جس کا ذکر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی زبان پر تا قیامت جاری رہے گا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (سورۂ فتح)

عہدِ نبوت میں سعدؓ نے جنگ اور امن کے زمانے میں جو خدمات انجام دی تھیں۔ وہ ان کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کی غمّازی کرتی تھیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر مکّہ میں سعدؓ سخت بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عیادت کے لئے تشریف لائے تو انھوں نے اپنی مایوسی کا اظہار کیا۔ حضورؐ نے فرمایا:

"اے سعدؓ تم اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک کہ تمہارے ہاتھوں سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچ جائے۔"

یہ بشارت درحقیقت ان کی انھیں صلاحیتوں کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ نے یہ صلاحیتیں

بیکار نہیں پیدا کیں، جب تک ان سے کام نہیں لیا جاتا تمہیں موت نہیں آئے گی۔ یہ صلاحیتیں پوری آن بان کے ساتھ پہلی بار قادسیہ کے میدان میں سامنے آئیں جب سعدؓ ایک عظیم جرنیل بن کر تاریخ کے صفحات میں زندۂ جاوید ہو گئے۔ اس جنگ کے گہرے تجزیاتی مطالعہ سے سعدؓ کی صلاحیتوں کا بھرپور اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سعدؓ نے فوج کو مختلف رجمنٹوں اور یونٹوں میں تقسیم کیا اور ان پر جو افسر متعیّن کیے، وہ اہلیت و صلاحیت کے اعتبار سے بہترین افسر ثابت ہوئے، سعدؓ کے مردم شناس ہونے اور کسی کام کے لئے اپنے آدمیوں میں سے بہترین افراد کو چُننے کے سلیقہ کا پتہ ان سفارتوں سے چلتا ہے جو ایرانی شہنشاہ یزدگرد کے دربار میں اور سپہ سالار رستم سے مذاکرات کے لئے بھیجی گئیں۔ اسلامی حکومت کے سفیروں کو کس قسم کی صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیے اور انھیں کس طرح اسلامی دعوت کے ماننے والوں کی اخلاقی برتری کا سکّہ دشمن پر جمانا چاہیے، اُسے ان سفیروں کی بات چیت اس کے انداز اور طرزِ عمل میں دیکھا جا سکتا ہے جس کا مظاہرہ انھوں نے دربار میں پہنچنے اور مذاکرات کے دوران کیا۔

سعدؓ ہدف علاقے کی دیکھ بھال RECEE اور دشمن کی قوّت اور تیاریوں سے باخبر رہنے کی اہمیّت سے بھی واقف تھے اور ایک اچھے فوجی جرنیل کی طرح انھوں نے اُس سارے زمانے میں ان دو امور کی طرف توجہ دیے رکھی جب وہ قادسیہ میں خیمہ زن تھے اور ایرانی دربار اور جرنیل سے مذاکرات جاری تھے۔ چھاپہ مار دستے نواحی علاقے میں گشت کرتے رہتے تھے، علاقے سے واقفیت کے ساتھ ساتھ غلّہ، مویشی اور دوسری ضروریات بہم پہنچاتے۔ اسی طرح مخبروں کا ایک جال بچھا دیا تھا جو دشمن کی قوّت اس کے منصوبوں اور نقل و حرکت سے آگاہ رکھتے اور ایرانی لشکر کے اندر تک کی خبریں لاتے تھے۔ ان اطلاعات سے مدینہ منوّرہ میں حضرت عمرؓ کو جنگی ہدایات دینے اور سعدؓ کو ان ہدایات کی روشنی میں عملی منصوبہ بندی کرنے میں بڑی مدد ملی۔ جنگ کے دنوں میں سعدؓ کی ران میں پھوڑا نکل آیا تھا اور وہ جنگ میں شریک ہونے سے معذور ہو گئے تھے۔ میدانِ جنگ کے کنارے ایک پرانا محل تھا، سعدؓ اسی میں مقیم تھے اور وہیں سے لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حالات

میں ہدایات جاری کرتے رہے۔ ان ہدایات سے سعدؓ کی جنگی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ آخر انہی ہدایات اور ان پر عمل نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ مسلمان فتح یاب ہوئے اور ایرانیوں کی قوت ٹوٹ گئی۔ فوجوں کی تنظیم، ان کی تیاری، ان کی تربیت، ان کی صف بندی، ان کی یلغار اور حملے کا انداز سب سعدؓ کے ایک لائق اور مشاق فوجی جرنیل ہونے کا پتہ دیتے تھے۔ انھوں نے تقریباً وہی حربے اور چالیں اختیار کیں جو خالدؓ نے ایران و روم کی جنگوں میں اختیار کیں اور ان کے ذریعے ایک ایسی جنگ جیت لی جس نے تاریخ کا رُخ بدل ڈالا۔

سعدؓ جرنیل ہی نہیں اعلیٰ پایے کے مدبر اور منتظم بھی تھے، مفتوحہ عراق عرب کا انتظام انھوں نے جن حالات میں اور جس حُسنِ تدبیر سے کیا اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک چلتی ہوئی گاڑی کو ہر شخص تھوڑی سی مہارت حاصل کر کے چلا لیتا ہے لیکن کسی گھسی پٹی گاڑی کے پُرزے اور مشینری ادھیڑ کر اس کی جگہ نئے تقاضوں کے مطابق نئی مشینری اور نئے پُرزے نصب کر کے چلانا ہر سائق (DRIVER) کا کام نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت ملکی انتظام کی ہوتی ہے۔ ایک یکسر خدا سے باغی نظام کو توڑ پھوڑ کر بالکل نئی بنیادوں پر خدا پرستانہ نظام قائم کرنا اور اس کے سانچے میں انسانی زندگیوں کو ڈھالنا ایک بے جان مشینری میں ردّ و بدل کرنے سے بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے، سعدؓ نے یہ انتہائی کٹھن کام بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی سے انجام دیا۔ وہ جن اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے ان کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق ایسے عظیم مدبر، سیاستداں اور منتظم حکمراں نے انھیں اس کمیٹی کا رکن بنایا جسے عامۃ المسلمین کی رائے سے اپنے اندر سے اسلامی مملکت کا نیا سربراہ منتخب کرنا تھا۔ صرف رکن ہی نہیں بنایا بلکہ سعدؓ کو خلافت کا اہل قرار دیا۔

سعدؓ کی تیسری خصوصیت ان کی پاکیزہ، ذوق و شوق سے لبریز بے لوث زندگی ہے جو اسلامی حکومت کے چھوٹے بڑے کارکنوں اور عمّال کے لئے آج بھی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ ان کی زندگی خشیتِ الٰہی، زہد و تقویٰ، حُبِّ رسولؐ، اتباعِ سنّت، تواضع اور انکسار، ایثار پیشگی، فیاضی، خدا خوفی اور دوسرے اخلاقی محاسن سے مزیّن تھی۔ ان کی راتیں حضور

میں قیام و سجود اور دن روزہ میں گزرتے تھے۔ انھوں نے جب سے اسلام قبول کیا ان پر کڑے سے کڑے وقت آئے اور وہ ہر کڑے اور مشکل امتحان میں کامیاب رہے اور حق کی راہ میں ثابت قدمی سے جدّوجہد کرتے رہے۔ سعدؓ علم و عمل کا پیکر تھے۔ اللہ نے انھیں ذوقِ علم اور شوقِ جستجو دیا تھا اور نبوّت کے سرچشمۂ عرفان سے انھوں نے حتی الامکان فیض اٹھایا تھا۔ جن باتوں کا علم نہ ہوتا وہ دوسرے اصحابِ علم صحابہ کرامؓ سے دریافت کرتے۔ اللہ نے تفقہ فی الدین کی نعمت بھی عطا فرمائی تھی اور صحابہؓ کی جماعتِ قضا میں شمار ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث روایت کی ہیں ان کی تعداد ۱۵۰ تک پہنچتی ہے۔ کسی کو خلافِ سنّت کام کرتے ہوئے دیکھتے تو منع فرماتے اور اپنے قول کی تائید میں حدیثِ رسولؐ بیان کرتے۔ الغرض وہ ہر پہلو سے اسلامی معاشرے کے ایک مثالی فرد اور رجلِ عظیم تھے۔

---

(۳)

پہلے مبلّغ، پہلے علمبردار

مُصعَبؓ بن عُمَیر

پُوری بستی میں ان سے بڑھ کر کوئی جوانِ رعنا نہ تھا جس طرف نکل جاتے، نگاہیں ان پر مرکوز ہو جاتیں اور خوشبو سے فضا مہک اُٹھتی، لیکن جب حق کی دعوت پر لبیک کہی، تو زندگی بدل گئی اور جب اس حق کا پرچم تھامے شہید ہوئے، تو کفن کے لئے پوری چادر بھی ان کے جسم پر نہ تھی۔

①

سنگلاخ پہاڑوں میں گھری ہوئی بستی ـــــ مکّہ ـــــ میں اسلام کی دعوت اندر ہی اندر پھیل رہی تھی۔ عبداللہ کے صاحبزادے اور عبدالمطلب کے پوتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوت کے علمبردار تھے۔ دعوت زیادہ تر نوجوانوں کے طبقے میں اپنی جڑیں پھیلا رہی تھی۔ اب تک جو لوگ ایمان لائے تھے، دو تین اصحاب کے سوا سب دس گیارہ برس سے تیس پینتیس برس تک کے پیٹے میں تھے۔ صرف ایک صاحب ایسے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً دو سال بڑے تھے۔ کسی انقلابی تحریک اور دعوت کی طرف نوجوان خون ہی زیادہ کھنچتا ہے۔ خصوصاً جب وہ اپنے سیاسی نظام اور معاشرتی و تہذیبی اقدار سے نالاں ہوں۔ بوڑھوں اور ادھیڑ عمر کے لوگوں کے لئے مصلحتیں اور معاشرے میں قائم سیاسی اور معاشرتی نظام سے وابستہ مفادات، زنجیر پا بن جاتے ہیں۔ یہی صورت اس وقت بھی درپیش تھی۔ بُوڑھے اور ان کے زیر اثر لوگ اس دعوت کے مقابلے میں ڈٹ کر آ گئے تھے۔ دوسری طرف بہت سے نوجوانوں کے دلوں میں ہلچل برپا تھی۔ ان کا جوان و گرم خون اپنے جذبات و رجحانات کو اس دعوت کی طرف مائل پاتا تھا ـــــ دعوت جو ایک نئی زندگی کی بنیاد تھی اور اُس فکری جمود اور اخلاقی بحران کے لئے چیلنج، جس میں پورا عرب مبتلا تھا، جو انسانی معاشرے پر مسلّط تہ بہ تہ گمبھیر تاریکیوں کو چیر کر اُسے روشن و تابناک بنانے چلی تھی؛ چنانچہ جونہی یہ دعوت اُن کے کانوں میں پہنچتی، وہ لبیک کہتے ہوئے اس پر ایمان لے آتے۔

انہی میں ایک پچیس چھبیس سال کے نوجوان مُصعبؓ تھے۔ میانہ قامت، حسین اور خوبرُو، نرم و نازک، سجیلے، خوش اخلاق اور مہذّب، عمدہ پوشاک میں ملبوس، پاؤں میں حضرمی جُوتے، جس طرف نکل جاتے، انتہائی لطیف خوشبو کی لپٹوں سے فضا مہکنے لگتی۔ دیکھنے والوں

کی نگاہیں ان کے چہرے پر جم کر رہ جاتیں۔ وہ قریش کے قبیلہ بنوالدار کے ایک شریف و نجیب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عمیر بن ہاشم بن عبد مناف مال و دولت، شوکت و جاہ اور شرافت و اخلاق میں اپنے پورے قبیلے میں ممتاز تھے۔ والدہ خناس بنت مالک خود بھی خاصی متمول تھی۔ بڑی بارعب اور مضبوط شخصیت کی مالک۔ اپنی اولاد کو کڑے نظم و ضبط کے ساتھ پالا، مگر محبت کا یہ عالم کہ انھیں کانٹا بھی چبھ جاتا، تو بے قرار ہو جاتی ـــــ عمدہ سے عمدہ پوشاک پہناتی اور اچھے سے اچھا کھانے کو دیتی۔ ناز و نعمت کے اس گہوارے میں ہلکورے لیتے ہوئے، مُصعبؓ جوان ہوئے۔

ریگزار میں بسنے والوں کی زندگی بڑی کٹھن ہوتی ہے۔ پھر قبائل اور خاندانوں کی باہمی چپقلش اور آویزشیں اسے اور صعوبت ناک بنا دیتی ہیں۔ صحرا کے بیٹے، صحرائی زندگی کی مشقتوں میں ڈھل کر جوان ہوتے ہیں۔ سیر و شکار، لہو و لعب اور ہنگامہ آرائی سے انھیں پیار ہوتا ہے، لیکن مُصعبؓ کی اٹھان بالکل دوسرے خطوط پر ہوئی تھی۔ انھیں امن و سکون سے لبریز زندگی پسند تھی۔ لاڈ پیار اور تموّل میں پلنے والے بچے عموماً بگڑ جاتے ہیں، مگر کچھ تو ماں کی کڑی تربیت نے انھیں بگڑ نہ ہونے دیا، کچھ ان کی سلامت روی اور لطافتِ طبع ان کے ہم عناں رہی۔ ان کے ہم عمر نوجوان اور دوست انھیں شکار پر چلنے کو کہتے تو انکار کر دیتے۔ انھیں خونریزی سے طبعاً نفرت تھی۔ ساتھی کہتے: اچھا آؤ حانوتِ رومی (شراب کی دکان) پر چلیں، شامی نبیذ کے دو ایک جام لنڈھا آئیں۔ ان کا جواب ہوتا: مَیں اپنے ہوش و خرد اور عزّت و آبرو کو جام و ساغر میں گم کرنا نہیں چاہتا۔ بہت ہوتا، تو مسجد الحرام میں چلے جاتے جہاں قریش کے شیوخ اپنی محفلیں جمائے ہوتے۔

مُصعبؓ خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور پھر ان محفلوں سے الگ اپنی پرسکون دنیا میں کھو جاتے۔ انھیں وہم و گمان تک نہ ہوتا اُن کی پُرسکون زندگی کسی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ طوفان جوان کے شب و روز، حال اور مستقبل سب کچھ بدل ڈالے گا۔

(۲)

بھنک تو مُصعبؓ کے کانوں میں پڑ چکی تھی کہ ان کے ہم جدّ[1] محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قوم کو خدائے واحد کی طرف بلا رہے ہیں۔ یہ دعوت اس وقت اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ عام کئے بغیر خاموشی سے دے رہے تھے، تاہم ایسی خفیہ بھی نہ تھی کہ لوگ اس سے بے خبر رہتے؛ چنانچہ چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ اسی دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے سارے مکّہ کو چونکا دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جو لوگ ایمان لائے وہ شہر سے باہر، لوگوں کی نگاہوں سے دُور گھاٹیوں میں خفیہ طور پر نماز پڑھا کرتے۔ اس روز مسلمان ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکوں کے ایک ٹولے نے انھیں دیکھ لیا اور ان سے الجھ پڑے، نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ عبداللہ بن خطل اس جھگڑے میں پیش پیش تھا۔ سترہ سالہ نوجوان سعدؓ بن ابی وقاص نے اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر اُسے دے ماری، ہڈی سر پر لگی اور پھٹ گیا۔ خدائے واحد کی طرف دعوت بجائے خود قریش کے لئے چونکا دینے والی تھی۔ قریش اللہ کے وجود اور اُس کے خالقِ کائنات ہونے کے قائل تھے، لیکن چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بُلا ہی نہیں رہے تھے گوشت پوست اور سنگ و خشب کے بنے اور وہم و گمان کے تراشے ہوئے سارے الٰہوں کی نفی فرما رہے تھے۔ حضورؐ کا ارشاد تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اللہ کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ـــــ نہ لات و منات اور نہ عزّیٰ و ہُبل۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی ساری زندگی ایک اللہ کے حوالے کر دے، اسی کو اپنا بادشاہ اور قانون دینے والا مانے اور اِس بادشاہ اور قانون دہندہ کی جانب سے جو کتابِ ہدایت اور دستورِ حیات

---

[1] مُصعبؓ بن عمیر کا سلسلہ پانچویں پشت میں قُصَیّ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے۔ شادی بیاہ کے ذریعے قریش کے خاندان ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن حمنہ بنت جحش، مُصعبؓ کی بیوی تھیں۔ حمنہ کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

وہ لے کر آئے ہیں اس پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو استوار کرے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی تھا کہ ایک دن ہر انسان کو اس خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی دنیوی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے۔ مکّہ کے بوڑھے اس دعوت پر تلملا اُٹھے تھے۔ انھیں اس میں اپنے صدیوں کے جمے ہوئے عقائد اور روایات خطرے میں نظر آ رہی تھیں۔ اپنے باپ دادا کے وقتوں سے وہ جس زندگی کے خوگر چلے آئے تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ دعوت اس کی بنیادوں پر ضرب لگاتی ہے اور اس کے جلو میں اُٹھنے والا طوفان اس زندگی کی تراشی ہوئی دُنیا کو تلپٹ کر کے رکھ دے گا۔ مُصعبؓ کے کانوں تک یہ دعوت چہ میگوئیوں کی صُورت پہنچی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی اس دعوت کو سُن کر چونکے تھے، لیکن بس ایک آدھ لمحے کے لیے۔ ذہن کے نارمل تعیش ہوئے اور پھر قلب کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر ساکت ہو گئے اور مُصعبؓ حسبِ معمول اپنی محدود سی حسین و جمیل دنیا کی لطافتوں میں کھو گئے۔

سعدؓ کے ہاتھوں عبداللہ بن خطل کے زخمی ہونے کی خبر مکّہ میں پھیلی تو دلوں میں اندر ہی کروٹیں لینے والا ہیجان سطح پر اُبھر آیا۔ مُصعبؓ بھی جیسے اپنے خوابوں کی دنیا سے نکل آئے۔ ہر گھر اور ہر محفل میں تند و تیز باتیں ہو رہی تھیں، عناد اور تضحیک کے رنگ میں ڈوبی ہوئی باتیں۔ بہت کم لوگ تھے جو جذبات سے ابھر کر سنجیدگی سے سوچتے۔ مُصعبؓ کی سوچ کا انداز قدرے مختلف تھا۔ یہ بات بار بار ان کے ذہن پر دستک دیتی کہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت دے رہے ہیں اُس پر آخر لوگ متانت سے غور کیوں نہیں کرتے؟ تضحیک اور تمسخر اور دنگا فساد تو کسی بات کا جواب نہیں ہوتا، اس دعوت کو استدلال سے بھی تو رد کیا جا سکتا ہے۔ وہ استدلال کیا ہو سکتا ہے، اس پر خود ان کا ذہن سوچنے پر کبھی آمادہ نہ ہُوا۔ ہوتا بھی کیسے؟ چند لمحے ہچکولے کھانے کے بعد ان کی سوچیں لاشعور کی گہرائیوں میں ڈوب جاتیں اور مُصعبؓ پھر اپنی حسین جمیل دنیا میں کھو جاتے۔

ایک روز وہ اپنی اسی دنیا میں کھوئے مسجد الحرام میں پہنچے۔ وہاں قریش کے سرداروں اور شیوخ نے محفل جما رکھی تھی۔ موضوعِ سخن وہی دعوت اسلامی تھا۔ ان کے لہجے میں اشتعال

اور جھلاہٹ تھی۔ جھلاہٹ جو کسی معاملے میں بے بس ہو جانے سے انسان پر طاری ہو جاتی ہے اور پھر اشتعال کے شعلوں سے وہ اپنی اس بے بسی کو بھسم کر دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کی باتیں سُن کر مُصعبؓ کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ جس بات کو وہ کچھ زیادہ اہم نہ سمجھ کر ذہن سے جھٹک دیتے رہے ہیں، وہ قریش کے ان سرداروں کے لئے کس قدر پریشان کن بن چکی ہے۔ ان میں سے ہر شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر ایمان لانے والوں پر برس رہا تھا جو مکّہ کے معاشرے میں ایک عظیم انقلاب کا ہراول بن گئے تھے۔ سب سے زیادہ غُصّہ یہ تھا کہ یہ دعوت چپکے ہی چپکے قریش کے تقریباً ہر گھر انے میں جڑ پکڑ چکی تھی، کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کا ایک نہ ایک فرد اس پر ایمان نہ لے آیا ہو۔ مُصعبؓ سوچنے لگے: آخر اس دعوت میں ایسی کیا بات ہے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے؟ پھر خیال کی ایک اور لہر ذہن کی گہرائیوں سے اُبھری: کیوں نہ اس دعوت کے داعیؐ اور ان پر ایمان لانے والوں کو قریب سے دیکھا جائے؟ اس لہر کے ساتھ ہی وہ اُٹھ کھڑے ہوئے، مسجد سے نکلے اور دار الارقم کی طرف ہو لئے، جسے عبداللہ بن خطل کے واقعے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی دعوت کا مرکز بنا لیا تھا ——— اور جو کوہ صفا کی ڈھلان میں واقع تھا۔

مُصعبؓ کے قلب و ذہن پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی، قدم یوں وارفتگی میں اٹھ رہے تھے جیسے کوئی کان میں سرگوشیاں کر رہا ہو کہ جو سعادتِ ابدی تمہارا انتظار کر رہی ہے اس سے بہرہ یاب ہونے کے لئے جلد سے جلد پہنچو۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور اس سعادت کے بغیر برباد ہو رہا ہے۔ وہ حیران تھے، شہر کے اندر رہتے ہوئے بھی اس دعوت سے اب تک یوں بے نیاز کیسے رہے تھے؟

اور پھر دار ارقم آ گیا۔ ارقم بن ابی ارقم کا گھر جو اسلام کی تاریخ میں ابدی جگہ پانے والا تھا۔ مُصعبؓ دروازے پر رُکے اور دستک دی۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر تشریف فرما تھے اور چند گنے چُنے ساتھی، چاند کے گرد نیم ہالہ سا بنائے بڑے ادب و احترام سے بیٹھے تھے۔ سب کی نگاہیں اس سجیلے نوجوان پر

پر جم گئیں۔ ... یہ آرزو کروٹ لینے لگی کہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کا دِل اِسلام کے لئے کھول دے، مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ ہو اور کفارِ قریش غیظ و غضب کے مارے مَر مِٹ جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس نوجوان پر نگاہ ڈالی اور رُوئے انور پر شفقت و محبّت کی چمک نمودار ہوئی۔ مُصعبؓ سر جھکائے آگے بڑھے اور چُپ چاپ ایک طرف بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضورؐ کی زبانِ مبارک سے نِکلا ہوا کلامِ الٰہی اور اس کی تشریح، کانوں کے ذریعے دِل کی گہرائیوں میں مُرتسم ہوئے جا رہی تھی۔ مُصعبؓ کو اپنے دل کی کایا پلٹتی محسوس ہوئی۔ یوں لگتا تھا دِل پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے اُٹھتے جا رہے ہیں اور اس کا ایک ایک گوشہ چاند کی ٹھنڈی سیمیں کرنوں سے منور ہو رہا ہے۔ ایک عجیب سی لذّت تھی جو اُن کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ بے اختیار اُٹھے، التماس کی اے اللہ کے رسولؐ! مجھے اپنے دین کا حلقہ بگوش بنا لیجئے۔ مجلس میں موجود مسلمانوں کی قلبی مسرت ان کے چہروں سے جھلکنے لگی۔ ایک اور مردِ حق ان کی چھوٹی سی نظریاتی برادری میں شریک ہو گیا تھا۔ برادری جس پر ظلم و ستم کی آندھیاں امڈنے لگی تھیں، جس کا ہر فرد ان آندھیوں میں پہاڑ کے سے ثبات کے ساتھ کھڑا تھا۔

مجلس برخاست ہو گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھی ایک دوسرے پر سلامتی کے پھول نچھاور کرتے چھپتے چھپاتے اپنے گھروں کو رخصت ہوئے۔ مُصعبؓ نے بھی گھر کی راہ لی۔ وہ مُسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے والے مظالم سے بے خبر نہ تھے، تاہم انھیں اپنی ماں کے سوا کسی کا ڈر نہ تھا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ابھی وہ ماں کو کچھ نہیں بتائیں گے اور کسی اچھے موقع کا انتظار کریں گے۔

مُصعبؓ روزانہ چوری چھپے دارالارقم میں حاضر ہونے لگے۔ نبیؐ کی تعلیم و تربیت اور نورِ قلب کے پرتو سے ان کی زندگی سفید شفاف آئینے کی طرح دمکنے لگی۔ وہ پہلے بھی کچھ کم خوبرو نہ تھے، لیکن اب تو عالم ہی اور تھا۔ باطن کے نُور نے ان کا چہرہ اور زیادہ روشن کر دیا تھا۔ ان کی رُوح ہی نہیں، ظاہر بھی بدل گیا تھا۔ صاف سُتھرے وہ اب بھی رہتے تھے کہ اسلام نظافت سکھاتا ہے، لیکن اعلیٰ پوشاک اور خوشبو کا جو اہتمام وہ پہلے کیا کرتے تھے، اب نہ رہا تھا۔

دارالارقم آتے جاتے بڑی احتیاط سے کام لیتے کہ کسی کی نظروں میں نہ آ جائیں، مگر مسلمانوں کا کھوج لگانے کے لئے ہر راستے پر قریش کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ جسے بھی دارالارقم کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے، اُس کا چُھپ کر تعاقب کرتے۔ جس پر شک گزرتا، اُس کی کنسوئیاں لیتے۔

ایک روز مُصعبؓ کو ان کے چچازاد بھائی عثمان بن طلحہ نے دارالارقم میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ چند دن بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ اُس کی نظر پڑ گئی۔ شک تو اُسے پہلے ہی دن ہو گیا تھا، اب گویا عینی شہادت مل گئی کہ مُصعبؓ نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ دوڑا دوڑا ان کے گھر پہنچا اور ان کی ماں کو جا خبر سنائی کہ تمہارا بیٹا صابی ہو گیا ہے۔ ماں پچھلے کئی روز سے مُصعبؓ کو بدلا بدلا پاتی تھی۔ کئی بار جی میں آئی بھی کہ پُوچھے بیٹے کیا بات ہے، تمہارے شب و روز پہلے سے نہیں رہے، مگر پھر چُپ ہو گئی۔ اب جو یہ خبر سُنی، تو فوراً یقین آ گیا۔ اُسے اپنا سر چکراتا محسوس ہوا اور پھر دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔

مُصعبؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر گھر پہنچے تو ایک ہنگامہ منتظر تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اور اشراف جمع تھے۔ گھر میں قدم رکھتے ہی ان لوگوں نے انھیں آڑے ہاتھوں لیا۔ ماں تو گویا پھٹ پڑی: "بدبخت، تو صابی ہو گیا ہے۔ باپ دادا کا دین چھوڑ بیٹھا ہے۔ میں نے تجھے اسی روز کے لئے پالا پوسا تھا اور مصیبتیں اُٹھائی تھیں اور پھر اپنے منہ پر دوہتڑ مار کر زور زور سے رونے لگی۔ مُصعبؓ چند لمحے تو ہکا بکا کھڑے اپنی پیاری ماں کو دیکھتے رہے، پھر بولے: "اماں، میں صابی نہیں ہُوا، مَیں نے اپنے باپ ابراہیمؑ کا دین اختیار کیا ہے، میں نے جہنّم کا راستہ چھوڑ کر جنّت کی راہ اپنائی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ بھی مسلمان ہو جائیں، زندگی اور نجات ہے تو اسی میں باقی ساری راہیں مَوت اور تباہی کی طرف جاتی ہیں ....."، مگر ماں پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ اس کا مطالبہ تھا کہ باپ دادا کے دین پر لَوٹ آؤ۔ اشرافِ مکّہ بھی ان پر دباؤ ڈالنے لگے، لیکن انھوں نے دباؤ کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔ پہلے انھیں لالچ کے جال میں پھانسنے کی کوشش کی، مگر انھوں نے ہر لالچ کو ٹھکرا دیا۔ پھر وہ دھمکیوں پر اُتر آئے۔ مُصعبؓ ان کی دھمکیوں کے جواب میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے

وہ قرآن جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دل دھو ڈالا تھا اور اُسے حکمت و شرف اور عدل و تقویٰ سے بھر دیا تھا۔ ماں نے جب دیکھا مُصعبؓ اپنی بات پر اَڑا ہوا ہے، تو اُس کی آنکھیں بدل گئیں، محبت، نفرت میں بدل گئی۔ انھیں پکڑا اور گھسیٹتی ہوئی ایک کمرے میں لے جا کر پھینک دیا: "جب تک اپنے باپ کے دین پر نہیں لوٹو گے، اسی زنداں میں بند رہو گے۔" اُس نے کہا اور دروازہ بند کر کے اُس پر پہرہ بٹھا دیا۔

۳

خفیہ دعوت کا دَور گزر چکا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اب اپنی دعوت کا پرچار کھُلے بندوں شروع کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کفارِ قریش نے تیغِ ظلم کی دھار اور تیز کر لی تھی۔ وہ تعذیبِ اذیت کے نت نئے حربے آزما رہے تھے اور اُن سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔ کمزور اور طاقتور سب ایک چکّی میں پس رہے تھے۔ اکثر زیادہ، کچھ کم۔ ابوبکرؓ ایسے انسان بھی جن کی شرافت اور عظمتِ اخلاق و کردار کا ہر شخص قائل تھا، مکّہ چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ غریب اور کمزور بیچاروں کا حال تو کہیں بُرا تھا۔ کفارِ قریش میں انسانیت کی آخری رمق بھی دم توڑتی نظر آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستم رسیدہ اہلِ ایمان کو ہجرت کر کے حبشہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔ حضورؐ نے فرمایا: "حبشہ کا بادشاہ بڑا انصاف پسند ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا، اس سرزمین میں بھلائی کا راج ہے جو جاننا چاہتا ہے وہاں چلا جائے، اور جب تک اللہ اس مصیبت سے نجات کا کوئی راستہ پیدا نہیں کرتا وہیں مقیم رہے۔"

مکّہ اور حبشہ کے درمیان عرب تاجروں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ انہی تاجروں کے ذریعے اہلِ مکّہ نے سنا تھا حبشہ کا بادشاہ بہت نیک ہے اور وہاں عدل اور انصاف کا دَور دَورہ ہے۔ نجاشی کی بصیرت نے بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔ ایک انصاف پسند بادشاہ ہی ایسے لوگوں کو پناہ دے سکتا تھا جو حق پرست تھے اور اس جرم کی پاداش میں جن کا جینا اُن کے شہر والوں نے دوبھر کر دیا تھا۔ مُسلمان تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ مُصعبؓ کو بھی کسی طرح پتہ چل گیا کہ

مسلمانوں کا ایک قافلہ، حبشہ میں پناہ لینے جا رہا ہے۔ انھوں نے بھی زنداں سے بھاگ نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک رات وہ اپنی ماں اور پہرے داروں کو جُل دے کر گھر سے نکل آئے اور قافلے سے جا ملے۔ قریش کو پتہ چلا تو بھاگم بھاگ تعاقب کیا، مگر جب بندرگاہ پر پہنچے تو مسلمانوں کا جہاز ساحل چھوڑ کر دور جا چکا تھا۔

حبشہ پہنچ کر مسلمانوں کو کئی سال بعد سکون و اطمینان کا سانس لینا نصیب ہُوا۔ اِدھر قریش کو فکر و اضطراب نے آ لیا۔ یہ خیال انھیں بُری طرح ڈس رہا تھا کہ مسلمان نجاشی کے سائے میں امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں اگر دوسرے مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے تو ایک قوت بن کر اُن کے لئے خطرہ بن جائیں گے؛ چنانچہ وہ ان غریب الدیار لوگوں کو واپس بلانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ اپنے دو بہترین ڈپلومیٹ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص پر مشتمل ایک سفارت دربار میں بھیجی، لیکن بادشاہ نے انھیں ان سفیروں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اب طرح طرح کی افواہیں اڑانے لگے۔ ایک افواہ یہ تھی کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا ہے اور مکّہ کے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ مہاجرین اگر لوٹ آئیں تو اُنھیں کوئی خوف و خطر نہیں ——— یہ حیلہ کارگر ہو گیا۔ اور مسلمان واپس آ گئے۔ انہی میں مُصعبؓ بھی تھے۔ مکّہ کے قریب پہنچے، تو پتہ چلا کہ وہ دھوکے میں آ گئے ہیں۔ قریش اپنے کُفر پر نہ صرف اڑے ہوئے ہیں، بلکہ مسلمانوں پر ان کے دانت اور تیز ہو گئے ہیں۔ اب پھر یہ لوگ تھے اور قریش کی ستم رانیاں اور جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دوبارہ حبش ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی۔ کفار نے راستہ روکنے اور مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کی؛ تاہم ۱۰۳ مرد و زن کسی نہ کسی طرح نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ مصعبؓ بن عمیر پھر اس قافلۂ ستم رسیدگان کے ہمرکاب تھے۔

مکّہ کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس کا کوئی فرد ان ہجرت کرنے والوں میں شامل نہ تھا۔ کسی کا بیٹا تھا کسی کا بھائی اور کسی کا داماد، کسی کی بہن تھی اور کسی کی بیٹی۔ اہلِ شہر کا ردِ عمل ملا جُلا تھا۔ خونی رشتوں کے یُوں جُدا ہو جانے سے اکثر گھروں میں کہرام برپا تھا۔ عورتیں اور بچے خاص طور پر متأثر تھے، البتہ بڑے بُوڑھے اپنے طرزِ عمل پر جس نے ان کے بچوں اور

نوجوانوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا، ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کے بجائے مشتعل تھے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ ایک سفارت حبشہ کے دربار میں بھیجی جائے اور ان لوگوں کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے۔ اس سفارت کے لئے بھی ان کی نگاہِ انتخاب عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص پر پڑی۔ پچھلی سفارت کی ناکامی کا جائزہ لینے کے بعد نئی حکمت عملی سوچی گئی۔ دونوں بیش بہا تحفے ساتھ لئے اور حبش پہنچا، وہاں ہدیے تقسیم کر کے درباریوں اور پادریوں کو ہموار کیا۔ پھر نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے، سجدہ ریز ہو کر آداب بجالائے، خصوصی ہدیے نذرانے میں پیش کئے اور عرض کی ہمارے شہر کے چند نادان لڑکوں نے اپنا دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے اور آپ کے ملک میں آ گئے ہیں۔ وہ آپ کا دین بھی نہیں ہے، نرالا دین ہے، ہم آپ کی بارگاہ میں درخواست لے کر حاضر ہوئے ہیں کہ انھیں ہمارے ساتھ واپس بھیجا جائے۔ درباریوں اور پادریوں نے پرزور طریقے سے ان کی ہم نوائی کی، لیکن نجاشی (شاہ حبش) نے فریق مخالف کا بیان سنے بغیر کوئی فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ نجاشی نے اگلے روز ان بیگانگانِ وطن کو اپنے دربار میں طلب کر لیا۔

اگلے روز دربار پھر سجا۔ مہاجرین مرد اور عورتیں سب کے سب دربار میں حاضر تھے۔ وہ یہ فیصلہ کر کے آئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے وہ بے کم و کاست پیش کر دیں گے چاہے نجاشی ہمیں رکھے یا نکال دے۔ نجاشی نے مہاجرین سے پہلا سوال یہی کیا کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین بھی چھوڑ دیا اور ہمارا دین بھی اختیار نہیں کیا، پھر یہ کون سا دین ہے جس کو تم نے اپنایا ہے؟ جعفرؓ بن ابی طالب نے مہاجرین کی نمایندگی کرتے ہوئے ایک پُراثر تقریر کی۔ انھوں نے کہا:

"اے بادشاہ ہم جاہلیت میں مبتلا تھے، بتوں کی پرستش کرتے اور مردار کھاتے تھے، فحش کام کرتے، قطع رحمی کرتے، ہمسائیگی اور عہد و پیمان کا پاس نہ کرتے، ہمارا طاقت ور اپنے کمزور کو کھا جاتا۔ ایسے عالم میں اللہ نے ہم پر کرم کیا، ہمارے اندر ہی سے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب، صداقت و امانت اور پاک دامنی سے ہم سب واقف تھے۔ اُس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی اور فرمایا کہ ہم اُسے واحد دیکتا مانیں، اُسی کی عبادت کریں

اور ان پتھروں اور بتوں کو چھوڑ دیں جن کی پوجا ہم اور ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ اس نے ہمیں راست گوئی، امانت داری، صلۂ رحمی، ہمسائیگی اور عہد و پیمان کی پاسداری اور حرام کاموں اور قتل و خونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا، ہمیں بُرے افعال، کذب و دروغ، مالِ یتیم کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے روکا۔ ہمیں تلقین کی کہ ہم صرف اللہ واحد کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کا ساجھی اور شریک نہ بنائیں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں اور روزہ رکھیں، نیک اعمال کریں، جن باتوں کا اُس نے حکم دیا ہے انھیں بجالائیں جن باتوں سے اُس نے روکا ہے ان سے باز رہیں، چنانچہ ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے، جو کچھ وہ اپنے اللہ کی جانب سے لایا تھا اُس کی پیروی کی، صرف اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا، جس چیز کو اُس نے ہم پر حرام کیا اُسے ہم نے حرام سمجھا اور جس چیز کو ہم پر حلال کیا اُسے ہم نے حلال سمجھا۔ اس پر ہماری قوم ہماری مخالف ہو گئی، ہم پر ٹوٹ پڑی، ہمیں عذاب دیے ہم پر ظلم توڑے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر پھر بتوں کی پوجا کریں، ان تمام ناپاک کاموں کو پھر سے اپنے اوپر حلال کر لیں، جنھیں پہلے حلال کر رکھا تھا۔ جب ان کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا اور ہماری زندگی اجیرن ہو گئی اور ہمارے دین کے راستے میں حائل ہو گئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے، اس امید پر کہ یہاں ہمیں پناہ ملے گی اور ہم پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔"

بادشاہ بڑے غور سے جعفرؓ کی تقریر سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر اُمڈنے والے تاثرات ظاہر کرتے تھے کہ ان کی باتیں اس کے دل میں اُترتی جا رہی ہیں۔ جعفرؓ خاموش ہوئے تو بادشاہ نے کہا: مجھے وہ کلام سناؤ جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے تمہارے نبی پر اُترا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے جواب میں سورۂ مریم کی وہ آیات سنائیں جن میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر ہے۔ نجاشی پر قرآن کریم کی آیات سُن کر رقت طاری ہو گئی، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، حتیٰ کہ داڑھی تر ہو گئی۔ پادری بھی رونے لگے۔ جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو نجاشی نے کہا: یہ کلام اور عیسیٰؑ جو کچھ لائے تھے دونوں کا سرچشمہ یقیناً ایک ہے۔ خدا کی قسم! میں تم لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔

قریشی وفد ناکام دربار سے لوٹا، لیکن اگلے دن عمرو بن العاص اور عبداللہ پھر دربار میں حاضر ہوئے اور نجاشی سے کہا: ان لوگوں کو طلب فرما کر دریافت تو کیجیے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے، یہ لوگ ان کے متعلق بہت بڑی بات کہتے ہیں۔" نجاشی نے مہاجرین کو پھر طلب کیا اور پوچھا حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ انھیں پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ قریشی وفد کیا مہرہ پھینکنے والے ہیں اور فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ وہی بات کہیں گے جو اللہ نے فرمائی اور اس کے رسولؐ کے سکھائی ہے؛ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے کسی جھجک اور خوف و مصلحت کے بغیر جواب دیا: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک رُوح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا تھا۔ نجاشی نے یہ سن کر زمین پر سے ایک تنکا اٹھایا اور بولا: بخدا جو کچھ تم کہہ رہے ہو حضرت عیسیٰؑ اُس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہ تھے۔ قریشی وفد کا حربہ ناکام رہا تھا اور وہ بے نیل مرام حبش سے لوٹ گئے۔ یوں اللہ کے یہ بندے کئی برس تک دیارِ غیر میں اطمینان اور سکھ کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کی اکثریت اس وقت واپس گئی جب مدینہ میں اسلام پھیل چکا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت ہجرت کر کے تشریف لے آئے تھے۔ البتہ ۳۳ افراد کی ایک جماعت ہجرت مدینہ سے تین چار برس قبل ہی مکہ لوٹ آئی تھی۔ مُصعبؓ بن عمیر بھی اس جماعت میں تھے۔

زنداں اور مصائب و شدائد کی زندگی ہی میں مُصعبؓ کا رنگ و روپ جاتا رہا تھا۔ غریب الوطنی کے صعوبت ناک شب و روز نے اس تغیر کے نقوش اور گہرے کر دیے، گورا چٹا رنگ کالا ہو چکا تھا، ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ جسم پر ایک چادر تھی اور اس میں بھی چمڑے کے پیوند لگے ہوئے۔ ماں نے دیکھا تو پہلی نظر میں پہچان نہ سکی۔ پھر سینے سے چمٹا لیا اور رونے لگی۔ اُس کا خیال تھا مصائب و شدائد نے جسم ہی نہیں مُصعبؓ کی روح بھی مضمحل کر دی ہو گی۔ ممتا کے آنسو اس رُوح کو مسخر کر لیں گے۔ مگر یقین و ایمان کے نور سے منوّر یہ رُوح اب بھی ناقابلِ تسخیر تھی۔ بیٹا اپنے دین پر ثابت قدم تھا۔ اِس کا جسم جتنا گھل چکا تھا روح اتنی ہی توانا ہو چکی تھی۔ بیٹے کی اس عزیمت اور استقلال سے وہ بہت متاثر ہوئی۔ وہ ممتا جو کفر کی محبت تلے پس کر رہ گئی تھی پھر سے زندہ ہو گئی۔ نورِ نظر کی حالت پر رحم آ گیا اور ظلم ڈھانے سے باز آ گئی۔

۴

مایوسی کے اندھیرے بڑھتے جا رہے تھے۔ حق کی آواز پتھر دلوں پر اچٹ کر رہی جاتی تھی۔ بلانے والا انھیں دین و دنیا کی سعادتوں سے ہمکنار ہونے کی طرف بُلا رہا تھا، مگر وہ لوگ اس کا جواب استہزا، تضحیک اور ظلم و ستم سے دے رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکہ کی سرزمین میں اب کوئی سعید روح باقی نہیں رہی۔ ہر طرف شورہ پشتوں کا ہجوم کلبلا رہا تھا۔ مکہ سے مایوس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف گئے، مگر اس نے دعوتِ حق کا جواب پتھروں کی بارش سے دیا۔ حضورؐ مکہ تشریف لائے، تو مبارک پاؤں لہولہان تھے اور جوتے خون میں لتھڑے ہوئے۔ یہ تجربہ بڑا حوصلہ شکن تھا، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزیمت میں کوئی فرق نہ آیا۔ جہاں لوگوں کا اکٹھ ہوتا پہنچ جاتے۔ میلوں میں، تہواروں میں، خرید و فروخت کی منڈیوں اور بازاروں (اسواق) میں ہر جگہ اپنا پیغام پہنچاتے۔ حج کا زمانہ آتا اور عرب کے دور دراز گوشوں سے لوگ اُمڈ آتے، تو حضورؐ کی جدوجہد اور تیز ہو جاتی۔ ایک ایک پڑاؤ پر اور ایک ایک قبیلے کے پاس پہنچتے اور اُنھیں رب کی عبادت اور اسلام کو نظامِ زندگی کی حیثیت سے قبول کرنے کی دعوت دیتے، لیکن ہمیشہ ناکامی اپنے بھیانک چہرے کے ساتھ آپ کا استقبال کرتی۔

مایوسی کے انہی اندھیروں میں روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی جس نے بڑھتے بڑھتے نور کے منبع کی صورت اختیار کر لی۔ حج کا زمانہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معمول ایک ایک قبیلے کے دل پر دستک دے رہے تھے کہ چھ خزرجیوں سے ملاقات ہو گئی۔ یہ لوگ یثرب سے آئے تھے اور بنو نجّار کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہودی ان کے ہم جوار تھے۔ ان کی زبان سے وہ اکثر سنا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں جو دنیا کو حق کی طرف بلائیں گے، انسانوں پر لدے ہوئے بوجھ اُتار دیں گے، اُن کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کاٹ دیں گے، اور انسانی معاشرے کے بلند و پست ایک کر دیں گے۔ یہ لوگ جب اوس و خزرج کے ساتھ کسی جھگڑے یا لڑائی میں شکست کھا جاتے، تو اکثر کہتے: ان نبیؐ کو مبعوث

ہو لینے دو، ہم ان پر ایمان لا کر تم سے نبٹ لیں گے کہ ان کا جو ساتھ دے گا وہی فاتح و سربلند ہو گا۔ حضورؐ نے جب ان شیرینوں سے کہا کہ اللہ نے مجھے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے مجھ پر ایمان لاؤ، دین و دنیا کی کامرانیاں تمہارے قدم چومیں گی۔ تو یہ لوگ چونک سے گئے۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں، یہودی انہی پیغمبر کے آنے کی خبر تو نہیں دیا کرتے تھے؟ اور جب حضورؐ نے اسلام کی دعوت تفصیل سے پیش کی اور کلام الٰہی سنایا تو وہ دلوں میں اترتا چلا گیا۔ آئینۂ دل ان خوش قسمت انسانوں کا پہلے ہی شفاف تھا۔ اس دعوت کے پرتو سے اور چمک اُٹھا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

یہ چھ خوش بخت شیرینی اس قافلے کا ہراوّل دستہ بن گئے جس کے ساتھ مکّہ کے اہلِ حق کا قافلہ جا ملنے والا تھا۔ انھیں اس وقت خبر نہ تھی کہ ان کے فکر و نظر کے اِس انقلاب نے انہی کو نہیں ان کی ننھی سی بستی ـــــ شیرب ـــــ کو تاریخ میں بقائے دوام عطا کر دی ہے۔ اگلے سال بارہ شیرینی حج پر آئے۔ دس قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور دو اَوس سے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت جہاد نہ تھی، بلکہ عہد تھا اس بات کا کہ جس دین پر وہ ایمان لائے ہیں اُسے اپنی عملی زندگی میں نافذ کریں گے۔ اللہ کے سوا کسی کو اپنا اِلٰہ نہ بنائیں گے، چوری، بدکاری، قتل اولاد اور بہتان تراشی سے احتراز کریں گے۔ امر بالمعروف میں سرِ تسلیم خم کر دیں گے۔ جن فکری و اخلاقی بُرائیوں سے اجتناب کا انھوں نے عہد کیا تھا وہ اس وقت کے عرب معاشرے میں عام تھیں اور اُن کی بُرائی ہونے کا احساس تقریباً مٹ چکا تھا۔ امر بالمعروف میں اطاعت کا اقرار گویا اس بات کا اعلان تھا کہ انارکی اور نتشتار کی جو زندگی اہلِ عرب کا اوڑھنا بچھونا بن چکی ہے، اسے چھوڑ کر وہ نظم و ضبط کی زندگی بسر کریں گے۔ یہ بارہ حضرات شیرب پہنچے، تو ان کی پوری زندگی اور اُس کا رنگ ڈھنگ بدل چکا تھا۔ اب انھیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو ان کو اسلامی تعلیم و تربیت دے سکے اور جو لوگ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان تک اسلام کی دعوت پہنچا سکے۔ خود ان میں کوئی شخص اس ذمہ داری سے نبٹنے کی پوری طرح اہلیت نہ رکھتا تھا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیجا کہ ہمیں ایک ایسا آدمی دیا جائے جو قرآنِ کریم پڑھائے،

اسلام سکھائے اور دین کی سمجھ پیدا کرے۔ اس درخواست کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ بلند جن صاحب پر پڑی وہ مُصعبؓ بن عُمیر تھے۔

۵

مُصعبؓ کو تاریخ کی اہم ترین مہم سونپی گئی تھی۔ اس کے مثبت یا منفی نتائج اسلامی دعوت و تحریک ہی پر نہیں پوری انسانی تاریخ پر اثر انداز ہونے والے تھے۔ نبیؐ کی بصیرت تو اذنِ ربّ سے صدیوں کے پردے چیر کر واقعات و حوادث دیکھ لیتی ہے۔ لیکن ایک عام آدمی حالات کا مشاہدہ اُسی وقت کرتا ہے جب اسباب و علل ایک مدّت تک کام کر کے اپنے منطقی نتائج سامنے لاتے ہیں۔ اُس کا یہ سارا عرصہ امید و بیم میں گزرتا ہے اس عام آدمی کے نقطۂ نظر سے اگر یہ دعوت ناکام ہو جاتی تو نہ شیرب کی طرف ہجرت عام ہوتی اور نہ شیرب، مدینۃ النبی میں بدل کر اسلامی دعوت کا آزاد مرکز اور کاروانِ اسلام کی پیش رفت اور یلغار کی بیس BASE بنتا۔ پھر کون کہہ سکتا تھا عرب کی کوئی دوسری بستی اس دعوت کے لئے اپنی آغوش وا بھی کرتی یا نہیں۔ پھر کیا خبر کسی اور مرکز کی تلاش میں کتنی صعوبتناک راہوں سے گزرنا پڑتا اور کامیابی کی منزل تک پہنچنے میں کتنی مدّت اور لگ جاتی۔ یہ مہم جس قدر اہم تھی اتنی ہی کٹھن بھی تھی۔ مصعبؓ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ شیرب کے دو قبیلوں "اوس" اور "خزرج" کی باہمی دشمنی تھی۔ جاہلیت نے ان عمّ زاد بھائیوں کو اپنی ہولناک گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ شتوں ناطوں کے باوجود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ آئے دن جنگیں ہوتی رہتیں۔ جنگِ بُعاث کے لگے ہوئے گھاؤ تو ابھی تک رِس رہے تھے جو صرف چار سال پہلے ہوئی تھی۔ پھر شیرب کی آبادی کا ایک اہم عنصر یہودی تھے جنھوں نے نہ صرف پورے علاقے کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں اپنے گہرے پنجے گاڑ رکھے تھے، بلکہ اَن پڑھ عربوں پر فکری اور تہذیبی بالادستی بھی قائم کر رکھی تھی۔ سیاسی تفوّق برقرار رکھنے کے لئے وہ ان دونوں قبیلوں کو آپس میں لڑاتے رہتے۔ شب و روز یہی کوشش ہوتی کہ ان عمّ زاد بھائیوں میں اتحاد کی کوئی صورت پیدا نہ ہونے پائے۔

اسلام کے کلمۂ جامعہ پر ان کا اتحاد اُنھیں کبھی نہ بھا سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی ذمّہ داری سونپتے تھے اہلِ ترین فرد کو سونپتے۔ اس اہم ترین اور کٹھن مہم میں مُصعبؓ کی صلاحیتیں پہلی بار سامنے آئیں۔ وحیِ الٰہی کی روشنی میں دیکھنے والی نگاہوں نے بلاشبہ اس مقصد کے لئے بہترین فرد کو منتخب کیا تھا۔

مُصعبؓ، یثرب پہنچ کر اسعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہرے۔ اسعدؓ ان چھ افراد میں سے ایک تھے جنھوں نے پہلے برس اسلام قبول کیا تھا۔ اب تک یثرب میں وہی تعلیم و تدریس اور نماز پڑھانے کی ذمّہ داریاں ادا کرتے رہے تھے۔ مُصعبؓ نے آتے ہی اسعدؓ کے ساتھ مل کر یثرب کے مختلف محلّوں اور قبیلوں کا تبلیغی دورہ شروع کر دیا۔ وہ ایک ایک گھر اور ایک ایک خاندان کے پاس جاتے، قرآن سناتے اور اسلام کی تبلیغ کرتے۔ اللہ نے زبان میں کچھ ایسی تاثیر اور سوز و گداز بخشا تھا کہ کٹھور سے کٹھور دل بھی قرآن سُن کر لرز جاتے، ان پر جاہلیّت کے لپٹے ہوئے پردے چاک ہو جاتے اور وہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر ملّت اسلامیہ میں شامل ہو جاتے۔ ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے بنی عبدالاشہل میں عبّاد بن بشر بن وقش اور ان کے حلفاء میں سے محمّد بن مَسْلَمہ نے اسلام قبول کیا۔ رفتہ رفتہ ان کی جدوجہد دوسرے دلوں میں بھی راہ بناتی چلی گئی۔

مُصعبؓ بڑے متحمّل مزاج اور مُعتدل طبیعت کے مالک تھے۔ سخت سے سخت باتوں کا جواب نرم لب و لہجے میں دیتے اور حکمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ اُسید بن حُضَیرؓ، سعد بن معاذؓ اور سعدؓ بن عبادہ کے دل اُن کی اسی خوبی سے مسخّر ہوئے۔ ایک روز حضرت اسعد بن زرارہؓ حضرت مُصعبؓ کو ساتھ لئے قبیلہ اَوس کی ایک شاخ بنو ظفر کے ایک باغ میں گئے۔ وہاں دوسرے مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ مُصعبؓ کا یہ معمول تھا وہ مختلف محلّوں میں جاتے اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے۔ وہاں ارد گرد کے مسلمان بھی جمع ہو جاتے۔ اس طرح ایک دعوتی اجتماع کی صورت بن جاتی۔ بنو عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ نے سُنا کہ مُصعبؓ اور اسعدؓ خود ان کے اپنے قبیلے والوں کے ہاں آئے ہوئے ہیں تو بڑے تلملائے، اپنے ابنِ عم اُسید بن حُضَیر کو بلایا اور کہا: اُسید، تم دیکھ رہے ہو؟ یہ دونوں (مُصعبؓ اور اسعدؓ) ہمارے گھروں میں آ کر ہمارے لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ اسعدؓ کا معاملہ نہ ہوتا تو مَیں خود اُن سے

نبٹ لیتا، مگر وہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں اس لئے تم جاؤ اُنھیں وہاں سے نکال دو اور سختی سے کہہ دو کہ آئندہ وہ اوس کے محلّوں کا رُخ نہ کریں۔ اُسید بھی شاید پہلے سے اس صورتِ حال پر کھول رہے تھے جو مُصعبؓ کے آنے کے بعد مدینہ میں پیدا ہو گئی تھی مگر سعدؓ کی اسعدؓ کے ساتھ قرابت کی وجہ سے بول نہ سکتے تھے۔ اب جو سعد نے خود اُن سے کہا تو وہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے، اپنا برچھا اٹھایا اور بنو ظفر کے باغ کی طرف ہو لیے۔ اسعدؓ بن زرارہ نے اُسید کو آتے دیکھا تو مُصعبؓ سے کہا "اسید آ رہے ہیں، اپنے قبیلہ عبدالاشہل کے ایک ممتاز سردار۔ ان تک اللہ کی بات پہنچانے کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کیجیے، ان کے قبولِ اسلام سے پورے قبیلۂ اوس کے دروازے اسلام پر کھل سکتے ہیں۔ مُصعبؓ نے کہا "اگر یہ بیٹھ گئے تو مَیں ان سے بات کروں گا۔" اتنے میں اُسید بھی پہنچ گئے اور غضب ناک انداز میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک اُنھیں گھورتے رہے، پھر بڑے ترش لہجے میں جیسے برس پڑے "تم لوگ یہاں کیسے آئے ہو؟ ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہو، خیریت چاہتے ہو تو چلو نکلو یہاں سے اور خبردار جو آئندہ ہمارے محلّوں کی طرف مُنہ کیا۔"

مُصعبؓ نے بڑے تحمّل کے ساتھ اُسید کی غضب آلود لہجے میں ڈوبی تند و ترش گفتگو سُنی پھر بہت دھیرے اور دل موہ لینے والے انداز میں بولے: میرے بھائی، ذرا بیٹھ کر میری بات سُن نہیں لیتے؟ پسند آئے تو قبول کر لیجیے، ناپسند ہو تو جو کام آپ کو پسند نہ ہو گا وہ نہیں کیا جائے گا۔" مُصعبؓ کا دلکش و حلیم اندازِ بیان اُسید کے دل میں اُتر گیا۔ کہنے لگے: "ہاں بات تو تم نے انصاف کی کہی۔" پھر برچھا زمین میں گاڑا اور ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ مُصعبؓ نے بڑے دل نشیں پیرائے میں دعوتِ حق پیش کی، اسلام کی تعلیمات بتائیں اور قرآن کریم پڑھ کر سنایا۔

اُسید، مُصعبؓ کی باتیں سنتے جاتے تھے اور ان کا چہرہ کھلتا جا رہا تھا۔ ایک نور تھا جو اس بشاشت کے ساتھ ساتھ اُبھر رہا تھا۔ پوری بات سُن چکے تو پکار اٹھے: "کیا ہی عمدہ اور حسین کلام ہے، تم لوگ اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو، مجھے بھی داخل کر لو۔" "غسل کر کے پہلے اپنے جسم کو پاک کیجیے، پھر پاک کپڑے پہنیے، پھر کلمۂ شہادت پڑھیے

اور اُس کے بعد نماز ادا کیجئے۔" اُسید اُسی وقت اُٹھے، پاک صاف ہو کر آئے، حضرت مُصعبؓ نے کلمۂ شہادت پڑھایا، پھر اُسید نے دو رکعت نماز ادا کی اور اسلامی برادری کے رُکن بن گئے۔ مسلمانوں میں مسرت و بہجت دوڑ گئی۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اُسیدؓ کہتے ہیں: ایک شخص اور ہے اگر وہ اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے تو سارا قبیلہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے گا، میں اُسے آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔"

اُسیدؓ، سعد بن مُعاذ کے پاس پہنچے، اُس وقت محفل جمی ہوئی تھی۔ ان کے ہم قوم ان کے پاس بیٹھے تھے۔ سعد نے انھیں دیکھتے ہی کہا:

"خدا کی قسم یہ وہ چہرہ نہیں ہے جو اُسید یہاں سے لے کر گئے تھے ــــ"

پھر پوچھا: "کیا کر آئے ہو؟" ــ انھوں نے کہا: میں نے ان دونوں سے بات کی تھی۔ مجھے تو ان میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ میں نے انھیں روکا تو کہنے لگے "ٹھیک ہے، جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہی ہم کریں گے۔" پھر حضرت اُسیدؓ نے کہا: "سعد، میں نے سنا ہے بنی حارثہ اسعدؓ کو قتل کرنے چلے ہیں اس لئے کہ وہ تمہارا خالہ زاد بھائی ہے، وہ تمہیں ذلیل کرنا چاہتے ہیں" سعد سنتے ہی جلال میں آ گئے جھپٹ کر نیزہ اٹھایا اور دوڑ کھڑے ہوئے۔ وہ بنی حارثہ سے پہلے اپنے بھائی کے پاس پہنچ جانا چاہتے تھے۔ اُسید نے انھیں دور سے آتے دیکھا تو مُصعبؓ سے کہا یہ شخص جو آ رہا ہے ایک ایسا سردار ہے جس کی ساری قوم اس کے پیچھے چلتی ہے۔ یہ اگر مسلمان ہو گیا تو اس کی قوم ساری کی ساری ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو جائے گی۔

قریب پہنچ کر سعد نے دیکھا کہ اسعدؓ اور مُصعبؓ بڑے اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہیں، سمجھ گئے کہ بنی حارثہ کی کہانی اُسیدؓ نے محض اِس لیے گھڑی تھی کہ میں یہاں پہنچ جاؤں اور ان کی بات سُن لوں۔ دِل میں بھڑکتا ہوا شعلہ زبان پر آ گیا، گرج کر اسعدؓ سے کہا: "ابو امامہ، واللہ اگر تم میرے قرابت دار نہ ہوتے تو یہ شخص (حضرت مُصعبؓ) میرے ہاتھ سے بچ کر نہ جا سکتا تھا۔ کیا تو ہمارے گھروں پر وہ چیز مسلط کرنا چاہتا ہے جسے ہم سخت ناپسند کرتے ہیں؟" جواب اسعدؓ کے بجائے مُصعبؓ نے دیا: ذرا بیٹھیے، ہماری بات سُن لیجئے، پسند نہ آئے تو بے شک

مسترد کر دیجئے۔" مُصعبؓ کے لہجے میں مٹھاس بھی تھی اور اثر بھی۔ اسعد نے کہا: "ہاں تمہاری بات ٹھیک ہے" اور برچھا زمین میں گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور قرآن سنایا۔ سعادت کے لمحات انسان کے مقدر میں ہوں اور وہ آ جائیں تو پھر دل و نگاہ کے حجابات آپ سے آپ اُٹھنے لگتے ہیں۔ سعدؓ دم بخود بیٹھے مُصعبؓ کی باتیں سُن رہے تھے۔ ان کا چہرہ ان کے دل کی ترجمانی کر رہا تھا۔ ہشاش بشاش چہرہ قلب میں اترنے والے نورِ ہدایت سے چمکتا دمکتا چہرہ۔ اسعدؓ اور مُصعبؓ کا بیان ہے کہ سعد کا چہرہ پڑھ کر ہی ہم سمجھ گئے تھے کہ اسلام ان کے دل میں گھر کر گیا ہے۔ مُصعبؓ نے بات ختم کی تو سعدؓ نے سوال کیا: حلقۂ اسلام میں داخل کرنے کے لئے تم لوگوں کا کیا طریقہ ہے؟ انھوں نے وہی جواب دیا جو اُسیدؓ کو دیا تھا۔ سعدؓ نہا دھو کر اور کپڑے بدل کر آئے، کلمۂ شہادت پڑھا، دو رکعتیں ادا کیں، برچھا ہاتھ میں لیا اور اپنے قبیلے والوں کے پاس پہنچے۔

وہ لوگ کسی اور چیز کے منتظر بیٹھے تھے، سعدؓ کا چہرہ دیکھتے ہی پکار اُٹھے، یہ وہ چہرہ نہیں ہے جو سعدؓ لے کر گئے تھے۔ اُنھوں نے آتے ہی کہا: "اے بنو عبدالاشہل تم لوگوں کا میرے بارے میں کیا خیال ہے؟" سب کا ایک جواب تھا۔ "آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے زیادہ صلۂ رحمی کرنے والے، سب سے زیادہ صائب الرائے اور سب سے زیادہ عقل و بصیرت اور تجربہ کے مالک۔" حضرت سعدؓ نے کہا: تمہارے مرد و زن سے میں اس وقت تک بات کرنا حرام سمجھوں گا جب تک تم لوگ مسلمان نہیں ہو جاتے۔

شام ہونے سے پہلے پہلے ایک شخص کے سوا بنو عبدالاشہل کے سارے مرد، عورتیں اور بچے اسلام قبول کر چکے تھے[1]۔ ان کے اسلام قبول کرتے ہی اُوس کے گھروں میں سجے ہوئے بُت توڑ دیے گئے۔ خزرج کے اکثر گھرانوں میں بھی اسلام داخل ہو چکا تھا۔ وہ افراد یا گھرانے جو اس نعمتِ عظمیٰ سے مزید کچھ عرصے (بدر و احد کے معرکوں) تک محروم رہے اُنگلیوں پر گنے جا سکتے۔ اسلام

---

[1] یہ صاحب الاصیرم عمرو بن ثابت تھے۔ یہ عین اس وقت ایمان لائے جب اُحد کا معرکہ گرم تھا، ایک سجدہ بھی ادا نہ کیا اور شہید ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الاصیرم جنتی ہیں۔

پھیلتے ہی محلّوں میں مسجدیں بننے لگیں جہاں نماز باجماعت ادا کی جانے لگی۔ پھر جمعہ کی نماز بھی قائم ہوگئی۔ اسلام میں جمعہ کی پہلی نماز پڑھانے کی سعادت مُصعبؓ بن عُمیر ہی کو ملی۔

اگلے حج کے موسم میں اوس وخزرج کے ۷۵ افراد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مُصعبؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ عقبہ کے مقام پر پھر بیعت ہوئی جو تاریخ میں بیعت عقبۂ ثانیہ کہلاتی ہے۔ یہ بیعت، عرب وعجم کے خلاف حق کی راہ میں جنگ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت ونصرت پر تھی۔ بیعت کرنے سے پہلے یثربی مسلمانوں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! اگر کبھی آپؐ غلبہ پائیں، تو ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں تو واپس نہ آجائیں گے۔ حضورؐ نے مُسکرا کر فرمایا: "نہیں، میرا خون تمہارا خون اور میرا ذمّہ تمہارا ذمّہ ہے، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے۔ تم جس سے لڑو گے مَیں بھی لڑوں گا تم جس سے صلح کرو گے اُس سے میں بھی صلح کروں گا۔"

بیعتِ عقبۂ ثانیہ بابِ فتحِ اسلام کی کلید بن گئی۔ قریش نے مسلمانوں پر مکّہ کی سرزمین تنگ کر دی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ مسلمان ہجرت کر کے یثرب چلے جائیں۔ وقت کا دھارا نیا موڑ مڑ گیا تھا۔

مُصعبؓ کی ماں کو پتہ چلا کہ بیٹا آیا ہوا ہے، تو کہلا بھیجا: "نافرمان! تو شہر میں آیا ہے اور اپنی ماں سے ملنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔" مُصعبؓ نے جواب میں کہلوایا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دئے بغیر کسی سے نہیں مل سکتا۔" پھر جب گھر گئے، تو ماں رونے لگی۔ انھوں نے ماں کو اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی تو بگڑ گئی اور کہنے لگی:۔

"میں تمہارا دماغ درست کرتی ہوں، دیکھتی ہوں کیسے اس نئے دین پر قائم رہتے ہو۔" وہ اُنھیں پھر قید کر دینے کی دھمکی دے رہی تھی۔ مُصعبؓ نے کہا: "مجھے جو پکڑنے آئے گا، میں اُسے جان سے مار ڈالوں گا۔" بیٹے کے تیور دیکھ کر اُس نے اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ مُصعبؓ ذرا اور قریب ہو گئے اور کہنے لگے: "ماں! میں آپ کا خیر خواہ ہوں، کلمہ پڑھ لیجیے اور کفر کی دہکتی ہوئی جہنم سے نکل کر اسلام کی جنّت میں آجائیے۔" ماں جھلّا کر بولی: "مجھے ستاروں کی قسم، میں تمہارا دین قبول کر کے بیوقوف نہیں بنوں گی، تم اپنا دین نہیں چھوڑنا چاہتے تو میری بلا سے، میں اپنے دین پر قائم رہوں گی۔"

مُصعبؓ مکّہ میں صفر تک مقیم رہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بارہ دن پہلے مکّہ چھوڑ کر یثرب چلے گئے۔ بیعت ثانی کے ڈھائی ماہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابُوبکر صدیقؓ کے ہمراہ دارُالہجرت پہنچ گئے ـــــ یثرب مدینتہ النبی میں تبدیل ہوگیا اور دنیا کی پہلی اسلامی مملکت وجُود میں آگئی۔

۶

مدینہ پہنچنے کے بعد اوّلین مرحلہ بے خانماں مہاجرین کی آبادکاری کا تھا۔ معاشی طور پر خودکفیل ہونے تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبوری انتظام یہ فرمایا کہ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارہ) کا رشتہ قائم کر دیا۔ حضرت مُصعبؓ بن عُمیر کا رشتۂ مواخاۃ حضرت ابوایّوب انصاریؓ کے ساتھ قائم ہوا جو بنو نجّار کے سردار تھے۔

مدنی زندگی کے آغاز سے دعوتِ اسلامی ایک نئے دور میں داخل ہوگئی۔ اب اسلامی نظریۂ حیات کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کا مرحلہ درپیش تھا، لیکن قریش نے مسلمانوں کو امن و سکون سے نہ بیٹھنے دیا۔ اسلامی مملکت قائم ہوتے ہی انھوں نے اِسے ختم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ آخر بدر کے مقام پر حق و باطل کا پہلا معرکہ ہوا جس میں مسلمان اپنی بے سروسانی اور قلّت تعداد کے باوجود غالب رہے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اور ممتاز افراد مارے گئے۔ مُصعبؓ بن عمیر اس جنگ میں قدسیوں کی اس فوج میں شامل تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مہاجرین کا سب سے بڑا پرچم عنایت فرمایا۔

قریش نے بدر کی شکست کا انتقام لینے کے لئے اگلے سال پھر مدینے کا رُخ کیا۔ کوہ اُحد کے دامن میں دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مُصعبؓ اس جنگ میں مہاجرین کے علمبردار تھے۔ ابتدا میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، دشمن بھاگ نکلا، مگر تیر انداز دستے کی حکم عدولی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا، مسلمانوں نے جانیں نچھاور کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت کی۔ مُصعبؓ بن عمیر

ان لوگوں میں سے تھے جن کے پائے استقامت میں ذرا لغزش نہ آئی، وہ پہاڑ کی طرح جمے اسلامی پرچم تھامے کھڑے تھے کہ قریش کے ایک شہسوار، ابن قمیئہ نے حملہ کر دیا۔ تلوار کی ایک ضرب ان کے دائیں ہاتھ پر پڑی اور ہاتھ کٹ گیا۔ انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ ابن قمیئہ نے دوسرے وار سے بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا۔ مُصعبؓ نے پرچم سینے سے لگا کر ٹُنڈ منڈ بازوؤں میں تھام لیا۔ ابن قمیئہ نے تیسرا وار نیزے سے کیا اور سینہ چھید کر رکھ دیا۔ مُصعبؓ پرچم سمیت گھوڑے پر سے گرے اور شہید ہو گئے۔ پرچم کو فوراً ان کے بھائی ابوالرّوم نے اُٹھا لیا، جو مدینہ پہنچنے تک انہی کے ہاتھوں میں رہا۔

جنگ ختم ہوئی، تو میدانِ جنگ کا منظر بڑا ہی المناک تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے لاشیں اکٹھی کرنے اور انھیں دفنانے کا حکم دیا۔ مُصعبؓ کی لاش دیکھ کر حضورؐ کے آنسو رواں ہو گئے۔ اور یہ آیت پڑھی۔

من المومنین رجالٌ صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔

(اہلِ ایمان میں وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اُس عہد کو سچ کر دکھایا جو انھوں نے اپنے اللہ سے کیا تھا۔ ان میں سے بعض اپنی مراد کو پہنچ گئے اور بعض ابھی اس کے منتظر ہیں ان کے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی)

مُصعبؓ کو اسی چادر میں دفنایا گیا جو ان کے جسم پر تھی، مگر وہ اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھانپتے، تو پاؤں کھُلے رہ جاتے اور پاؤں چھپاتے تو سر کھلا رہ جاتا۔ حضورؐ کو وہ دن یاد آ گئے جب مصعبؓ مکّہ میں بڑے ناز و نعم کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ فرمایا: میں نے تمہیں مکّہ میں دیکھا۔ تم سے بڑھ کر حسین و خوبرو کوئی نہ تھا۔ تم اعلیٰ کپڑے پہنتے اور خوشبو لگایا کرتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ سر ڈھانپنے کو ایک چادر بھی پُوری نہیں۔ پھر حکم دیا کہ سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔ شہدا دفن ہو چکے، تو ایک نظر ان کی قبروں پر ڈالی اور فرمایا: اللہ کا رسولؐ گواہی دیتا ہے کہ تم اللہ کی نظر میں شہید ہو اور قیامت کے دن شہید ہی کی حیثیت میں اٹھو گے۔

یہ تھے مُصعبؓ بن عمیر۔ دعوتِ اسلامی کے پہلے سفیر، مبلّغ اور اسلامی فوج کے پہلے علمبردار! وہ جنھوں نے حق کی خاطر راحت و آرام کی زندگی چھوڑی، وطن سے بے وطن ہوئے اور پھر اللہ کی راہ میں اپنی جان تک قربان کر دی۔ ان کا شمار عظیم صحابہ میں ہوتا ہے وہ نمونہ تھے اس بات کا کہ آدمی جب دعوتِ حق قبول کر لے تو اُسے اپنی دنیا، اپنی خواہشات، اپنی تمنائیں اور آرزوئیں، اپنی دلچسپیاں اور محبتیں اور نفرتیں کس طرح بدل دینی چاہئیں۔ پھر جب راہِ حق میں مصائب و مشکلات کا سامنا ہو، اپنے غیر ہو جائیں اور زندگی اجیرن ہو جائے تو کس صبر و ثبات کی ضرورت ہوتی ہے اور وطن بھی چھوڑنا پڑے تو بندۂ حق کس خوش دلی کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

مُصعبؓ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیتیں عطا کی تھیں۔ انھوں نے مکّی زندگی کا بڑا حصّہ یا تو حبش میں مہاجرت کی زندگی بسر کرتے گزارا یا مصائب و شدائد کی چکّی میں پستے ہوئے۔ مدینہ کی زندگی بہت مختصر تھی اس طرح ان کی صلاحیتیں پوری طرح نکھر کر سامنے نہ آ سکیں؛ تاہم اس مختصر سی زندگی میں بھی انھوں نے جو کام انجام دیا، اُس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے وہ کتنی عظیم صلاحیتوں کے حامل انسان تھے۔ ان کی فطرت میں نیکی اور خیر رچی بسی تھی، شوقین مزاج و تنعم کی زندگی میں ڈوب کر بھی دامنِ عفت ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، وہ بُرائیاں جن میں ان کے معاشرے کے اکثر نوجوان ملوّث تھے، ان سے عیش پسندی کے باوجود دور رہے۔ شراب خوری تو معاشرے کے چھوٹے بڑے کی گھٹی میں پڑی تھی، اس کی بُرائی ہونے کا تصوّر تک ذہنوں سے اتر گیا تھا، لیکن مُصعبؓ ان گنے چنے افراد میں سے ایک تھے جو اس سے مجتنب رہے تھے۔ خیر و صلاح کی یہی صلاحیت تھی جس نے انھیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت کی طرف کھینچا اور پھر وہ اس دعوت کے اس طرح ہو رہے کہ عزیز ترین رشتے اور ان کی محبتیں اس کے آگے ہیچ ہو گئیں، اپنے شب و روز اس کے لئے وقف کر دیے اور آخر کار جب اس دعوت کی آبیاری کے لئے خون کی ضرورت پڑی تو وہ بھی پیش کر دیا۔

اسلام کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت نے نہ صرف ان کی پہلے سے موجود صلاحیتوں کو جلا بخشی بلکہ انھوں نے اس صحبت سے ہر وہ فیض حاصل کیا جو ایک سعادت مند انسان، نوعِ انسانی کے عظیم ترین مزکّی و مربّی اور معلّم و حکیم پیغمبرؐ سے حاصل کر سکتا

تھا۔ اس فیضان سے ان کے اندر چھپا ہوا ایک حکیم و دانا، صاحبِ علم اور فقیہ انسان اُبھر آیا۔ مکّہ کی پوری زندگی اور ہجرت کے ابتدائی برسوں میں جنگ اُحد تک جتنا قرآن نازل ہوا وہ انھیں حفظ تھا۔ حضورؐ نے تبلیغ و دعوت کے لئے جن اصحاب کو تیار کیا تھا، مُصعبؓ ان میں یقیناً سب سے نمایاں تھے۔ چنانچہ یثرب کے مسلمانوں نے جب حضورؐ سے کسی مبلّغ و داعی کو ان کے ہاں بھیجنے کی درخواست کی تو حضورؐ نے اس عظیم کام کے لئے انھیں منتخب کیا۔ اس طرح تاریخ کا فیصلہ کن لمحہ ان کے سپرد کر دیا۔ مُصعبؓ نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا اور اس فیصلہ کن لمحے کو کام میں لاکر اسلام کی تاریخ کو ایک نیا رُخ دے دیا۔ مدینہ میں تبلیغ و دعوت کے ماہ و سال، حضرت مصعبؓ کی زندگی کے سب سے اہم ماہ و سال تھے۔ ان کے اندر وہ تمام خصوصیات بدرجۂ اُتم تھیں جو دعوتِ حق کے ایک مبلّغ میں ہونی چاہئیں۔ عجز و انکساری، خوش اخلاقی، مخاطب کی بہی خواہی، خود اپنے قول و عمل میں ہم آہنگی یہ وہ خصائص ہیں جو انسان کے دلوں کو کھینچتے اور ان میں حق بات کو جذب کرنے کے دریچے کھولتے ہیں اور حضرت مصعبؓ ان سب سے بہرہ مند تھے اور اہلِ مدینہ کے دِلوں کے دریچے کھولنے میں ان اوصافِ حمیدہ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ وہ ایک ایک گھر میں جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن سناتے۔ وہ شاذ و نادر ہی ناکام لوٹتے۔ گھر کے ایک دو فرد ضرور اس دعوت پر لبیک کہتے، ان کی روشنی سے رفتہ رفتہ گھر کے دوسرے دِلوں کے چراغ بھی روشن ہو جاتے۔ انسانی نفسیات پر بھی ان کی گہری نظر تھی، جادِلْ بالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ان کی تبلیغ و دعوت کا اہم اصول تھا، انسانی نفسیات سے واقفیت اور اسلام کو بہترین انداز میں پیش کرنے کی اس صلاحیت ہی نے اُسَیدؓ بن حُضیر اور سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ ایسے تیز بی سرداروں کے دلوں کو مفتوح کیا اور مکّی مسلمانوں کے لئے ہجرت مدینہ کا راستہ کھول دیا ——— اور پھر اگلے چند برس میں تاریخ کا رُخ ہی پلٹ گیا۔

---

(۴)

اسلامی سیاست کے محتسبِ اعلیٰ

محمّد بن مسلمہؓ

امیر المؤمنین عمرؓ بن الخطاب نے انھیں امورِ مملکت میں
سب سے کٹھن کام سونپا، مگر وہ اس پر ہمیشہ پورے اُترے
جس کے احتساب پر مقرر ہوئے کوئی رُو رعایت نہ کی،
ہمیشہ بے لاگ تحقیق و تفتیش کرتے اور کبھی ذاتی تعلقات
اور شناسائی کو اپنے اور فرض کے درمیان حائل نہ
ہونے دیتے۔

(۱)

کعب بن اشرف یہودی کی دریدہ دہنی اور سازشیں ناقابلِ برداشت ہو چکی تھیں۔ یہ شخص بنو نضیر سے تعلق رکھتا تھا اور شعلہ نوا شاعر تھا۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ اس معاہدے میں شریک تھا جو مدینہ علیہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر اور دوسرے یہودی قبیلوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس شخص کے دل میں اسلام اور خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسلام جیسے جیسے فروغ پا رہا تھا، اُس کے بغض و عناد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جنگ بدر میں جب رسولؐ اللہ اور مسلمانوں کو فتح ہوئی، وہ انگاروں پر لوٹ گیا اور فرطِ غضب میں پکار اُٹھا:

"خدا کی قسم! اگر محمدؐ نے قریش کو واقعی شکست دے دی ہے، تو ہمارے لئے زمین کا پیٹ اُس کی پیٹھ سے زیادہ بہتر ہے۔"

بدر میں بڑے بڑے سردارانِ قریش مارے گئے تھے۔ ان کی تعزیت کے لئے وہ مکے گیا۔ مقتولین کے پُر درد مرثیے کہے اور اہلِ مکہ کو انتقام پر اُبھارا۔ وہ کئی روز مکے میں رہا۔ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا، درد بھری آواز میں مرثیے پڑھتا، خود بھی روتا اور اُنھیں بھی رُلاتا۔ انہی مرثیوں سے برانگیختہ ہو کر ابوسفیان نے مکے کے سرداروں کو اپنے ساتھ لیا اور کعبے کا پردہ تھام کر عہد کیا کہ جب تک ہم بدر کا انتقام نہ لیں گے چین سے ہرگز نہ بیٹھیں گے۔

جنگ بدر کے بعد کعب کی معاندانہ سرگرمیاں اور تیز ہو گئیں۔ اُس نے اپنے شعروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی اور دریدہ دہنی کو شعار بنا لیا۔ وہ شرافت اور انسانیت کی عام حدیں بھی پھاند گیا۔ مسلمان خواتین کے متعلق نہایت فحش عشقیہ قصائد کہتا اور انھیں اپنی محفلوں میں مزے لے لے کر سناتا۔ بعض اوقات ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے بھی باز نہ آتا۔ اس کے جذبۂ عناد کی انتہا یہ تھی کہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان تک لینے کا تہیہ کر لیا اور اپنے گھر بُلا کر قتل کر دینے کی سازش کی، لیکن عین وقت پر اللہ

نے حضورؐ کو آگاہ کر دیا۔ اس سازش سے ظاہر ہو گیا کہ اس شخص کو ڈھیل دینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی دریدہ دہنی سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کو ایذا دیتا رہے، مُسلمانوں کی غیرت و حمیّت کے جذبات سے کھیلتا رہے، کُفّار سے ساز باز کر کے اُنھیں جنگ پر اُبھارتا اور اپنے ہم قوموں کو مشتعل کرتا رہے۔ تنہا اُس کی شرارتوں پر اُس کی قوم سے اعلانِ جنگ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کُھلے میدان میں اس سے مقابلہ ہوتا اور اس کو قتل کیا جاتا۔ خود اس کی اپنی قوم سے یہ توقّع نہیں رہی تھی کہ وہ اس کے منہ میں لگام دے گی اور اس کو ریشہ دوانیوں سے باز رکھے گی۔ ساری قوم کا رویّہ ایک ساتھا، پھر اُس نے تمام بااثر یہودیوں کے وظائف مقرّر کر رکھے تھے، اس لئے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ یا تو اس ایک بدقماش شخص کی وجہ سے پوری قوم کے ساتھ کئے جانے والا معاہدہ توڑ دیا جائے اور وسیع پیمانے پر کشت وخون کو انگیز کیا جائے، یا ہمہ گیر فتنے کی آگ بھڑکنے سے پہلے اس کو ہَوا دینے والے کا سر کچل دیا جائے؛ چنانچہ ایک بھرے مجمعے میں صحابۂ کرام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"کعب بن اشرف سے کون نبٹے گا؟ اس شخص نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کو اذیّت دینے میں ساری حدیں روند ڈالی ہیں۔"

ایک لمبے تڑنگے سیاہ فام صحابی اُٹھے اور عرض کی:

"اے اللہ کے رسولؐ! کیا اُسے قتل کر دیا جائے؟"

فرمایا: "ہاں۔"

"پھر مجھے اجازت دیجئے، مَیں اس سے بات کروں گا۔"

"ہاں آپ اُس سے بات کریں۔" حضورؐ نے فرمایا۔

وہ صحابی اُٹھ کھڑے ہوئے، ایک اور صحابی ابونائلہؓ کو جو کعب کے رضاعی بھائی بھی تھے، ساتھ لیا، کعب کے پاس گئے اور کہا:

"ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو پناہ دے کر سارے عرب کو اپنا دشمن بنا لیا ہے، ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے، اب ہم تم سے قرض لینے آئے ہیں۔"

مَیں تو پہلے ہی کہتا تھا تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے اکتا جاؤ گے۔ ٹھیک ہے مَیں

قرض دینے کو تیار ہُوں، مگر کوئی شے رہن رکھنا ہو گی۔

"کون سی چیز؟" انھوں نے پُوچھا۔

"اپنی بیویاں۔" کعب کے دل کی خباثت زبان پر آ گئی۔

"تم حسین وجمیل آدمی ہو، ہم اپنی بیویاں تمہارے پاس رہن نہیں رکھ سکتے۔" اُن صحابیؓ نے کہا۔

"تو پھر اپنے بچّوں کو گروی رکھ دو۔" کعب نے پھر شیطنت کا مظاہرہ کیا۔

"اس سے تو ہم سارے عرب میں نکو ہو جائیں گے، لوگ ہم پر انگلیاں اٹھائیں گے کہ یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے تھوڑے سے قرض کے لئے اپنے بچّوں کو گروی رکھ دیا۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں اور تم جانتے ہو آج کل ان کی کتنی ضرورت ہے۔" صحابی نے جواب دیا۔

"اچھا رات کو آنا" کعب رضامند ہو گیا۔

خاصی رات گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دونوں ساتھی کچھ آدمیوں کو لے کر کعب کے قلعے میں پہنچے اور اپنی آمد کی خبر دی۔ کعب نے اعلیٰ عطر لگا رکھا تھا، خوشبو میں بسا چادر اوڑھے باہر نکلا۔ بیوی نے روکا: "کہاں جا رہے ہو؟"

بولا: "میرا بھائی ابونائلہ اور چند دوست آئے ہیں۔"

"یہ بھی کوئی وقت ہے" بیوی نے کہا۔ "باہر مت جاؤ، مجھے ان لوگوں کی باتوں سے بُوئے خون آتی ہے۔"

"ایسا ہے تو بھی مَیں جاؤں گا۔ شریف انسان کو رات کے وقت بھی نیزے کی دعوت قبول کر لینی چاہیئے۔" کعب نے اکڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

کعب باہر نکل آیا۔ یہاں پہلے ہی منصوبہ تیار ہو چکا تھا۔ "تمہارے سر سے تو خوشبو کی لپٹیں آ رہی ہیں۔" ابونائلہ نے کہا۔

"ہاں بڑا نفیس عطر ہے۔" کعب نے جواب دیا۔

"ذرا مَیں سونگھوں تو۔" ابونائلہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

کعب نے سر آگے کر دیا۔ باری باری سب نے سر سونگھا، عطر کی تعریف کی، پھر یک دم تلواریں بجلی کی طرح کوندیں۔ کعب زخمی ہو کر گر پڑا اور زور سے چلّایا۔ یہودی ہوشیار ہو گئے۔

ہر قلعے میں روشنی ہوگئی۔ وہی لمبے تڑنگے صحابی آگے بڑھے، اپنا خنجر کعب کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ چند لمحے تڑپا اور ٹھنڈا ہوگیا۔ انھوں نے سر کاٹ کر ساتھ لیا اور روانہ ہوگئے۔ بقیع پہنچ کر بلند آواز میں تکبیر کہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اپنے رب کے حضور کھڑے تھے، تکبیر کی آواز سن کر سمجھ گئے کہ مہم کامیاب رہی، اتنے میں یہ لوگ آ پہنچے اور کعب کا سر حضورؐ کے سامنے رکھ دیا۔ اللہ کی حمد و ستائش حضورؐ کی زبان مبارک پر جاری ہوگئی۔

(۲)

یہ لمبے تڑنگے سیاہ فام صحابی جن کی تدبیر سے ایک بدکردار، دریدہ دہن، عہد شکن، فتنہ پرور اور سازشی شخص کیفرِ کردار کو پہنچا، محمد بن مسلمہؓ تھے۔ انصار کے قبیلۂ اوس کے ایک ممتاز فرد۔ محمد بن مسلمہؓ کا شمار مدینہ منورہ کے اُن مسلمانوں میں ہوتا ہے جو ہجرتِ رسولؐ سے پہلے اسلام لائے۔ وہ مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ پر اُس وقت مسلمان ہوئے جب کہ اُن کے قبیلے کے بڑے بڑے بزرگ اور سردار سید بن حضیر اور سعدؓ بن معاذ وغیرہ ابھی حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارے) کا سلسلہ قائم فرمایا۔ تو ابو عبیدہ بن الجراح کو اُن کا بھائی بنایا۔ ابو عبیدہؓ خود بھی ان اصحاب میں سے تھے، جو مکے میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے، بعد ازاں انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامت کا لقب عطا فرمایا تھا۔

محمد بن مسلمہؓ کی زبردست شخصیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں محاذِ مصر کے کمانڈر عمروؓ بن عاص نے باب خلافت سے کمک طلب کی تو امیر المومنین عمرؓ بن خطاب نے ایک ایک ہزار فوج دے کر چار اصحاب کو روانہ کیا اور لکھا۔

"میں تمہاری مدد کے لئے چار سرفروش بھیج رہا ہوں۔ ان میں ہر افسر ایک ہزار سواروں کے برابر ہے۔ جب جنگ کے لئے صفیں باندھو تو انھیں سب سے آگے رکھو۔ یہ دشمن کا منھ اپنی تلواروں سے پھیر دینے والے شہسوار ہیں۔"

ان چار اصحاب میں ایک محمد بن مسلمہؓ[1] تھے (باقی زبیرؓ بن العوام، عبادہ بن صامتؓ اور مقدادؓ بن الاسودؓ تھے)۔

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد جنگوں کا جو سلسلہ چھڑا، ان میں ہمیشہ صفِ اول میں رہے۔ بدر و اُحد اور احزاب و حنین ہر جنگ میں دادِ شجاعت دی۔ اُحد میں لشکرِ اسلام کی حفاظت کے لئے روند کرنے والے دستے کے لیڈر تھے۔ تمام رات گشت لگاتے رہے اور جب دن کے وقت مسلمانوں کی اپنی غلطی سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوگئی اور کفار کے دو طرفہ حملے سے اسلامی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، تو وہ ان معدودے چند لوگوں میں سے ایک تھے جو ثابت قدم رہے اور اپنی سرفروشی سے کفار کے حملے کو روکا۔ بنو نضیر کو جلاوطن کرنے کی اہم ذمہ داری انہی کے سپرد کی گئی۔ غزوۂ قریظہ کے بعد یہودی عورتوں اور بچوں کو الگ کر کے مردوں کو گرفتار کرنے کا کام بھی انھیں سونپا گیا۔ سنہ ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۸ آدمیوں کے ایک لشکر کی کمان دے کر بکرات کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے ۲۴ میل پر ہے۔ رات کو ذی القصد کے مقام پر پہنچے، دشمن گھات میں بیٹھا تھا، پہلے تیروں کی بارش کی اور پھر نیزوں کے ساتھ ٹوٹ پڑا۔ محمدؓ بن مسلمہ کے علاوہ سب لوگ شہید ہوگئے۔ وہ خود سخت زخمی ہوئے اور ان کے ٹخنے پر شدید چوٹ آئی۔ حملہ آور ان سب کے کپڑے تک اتارے گئے۔ اتفاق سے ایک مسلمان کا ادھر سے گزر ہوا، وہ انھیں اٹھا کر مدینہ لائے۔ صرف غزوۂ تبوک ایسا غزوہ تھا جس میں محمد بن مسلمہ شریک نہیں ہوئے، لیکن اس کا سبب یہ نہ تھا کہ وہ بعض دوسرے لوگوں کی طرح پیچھے بیٹھ رہے تھے، بلکہ انھیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بناتے وقت اُن کی مدد کے لئے چھوڑا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کو ان کی صلاحیتوں پر کس حد تک اعتماد تھا۔

(۳)

حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں گورنروں اور حکومت کے کارکنوں کی نگرانی کے

[1] بعض روایات میں مسلمہ بن مخلد کا نام آیا ہے، تاہم محمد بن مسلمہ شجاعت اور سرفروشی میں کسی سے کم نہ تھے۔

لئے ایک الگ شعبہ قائم کیا اور محمدؓ بن مسلمہ کو اُن کے تقویٰ اور امانت داری کی بنا پر اس شعبے کا سربراہ مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ کو جب کبھی اپنے گورنروں اور حکام کے متعلق کوئی شکایت موصول ہوتی محمد بن مسلمہؓ کو تحقیق و تفتیش کے لئے روانہ فرماتے۔ وہ اس فرض کو کسی رُو رعایت کے بغیر انجام دیتے اور امیر المؤمنینؓ کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی کمی بیشی نہ کرتے۔ ان کا کسی گورنر کے ہاں پہنچ جانا اُس کو لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

ایک بار بارگاہِ خلافت میں خبر ملی کہ مصر کے گورنر عمرو بن العاصؓ نے بہت سی دولت اکٹھی کر لی ہے۔ محمدؓ بن مسلمہ کو حکم ہوا کہ جاؤ اور عمروؓ کی دولت کا جائزہ لو، اگر اطلاع درست ہے تو اُن سے آدھا مال لے کر بیت المال میں داخل کر دو۔

محمدؓ بن مسلمہ، عمرو بن العاصؓ کے پاس فسطاط پہنچے، تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔ ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ پُرتکلف دسترخوان بچھایا گیا، لیکن محمدؓ بن مسلمہ نے ایک نوالہ تک نہ لیا۔ عمروؓ نے پوچھا:

"کیا عمرؓ نے تمہیں میرے ہاں کا کھانا کھانے سے منع کر دیا ہے؟"

فرمایا: "نہیں"، انھوں نے منع نہیں کیا، لیکن کھانے کا حکم بھی نہیں دیا۔" پھر اپنی جَو کی روٹی نکالی، دسترخوان پر رکھی اور نمک کے ساتھ کھانے لگے۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ عمروؓ خاصے برہم ہوئے، کہنے لگے:

"زمانے کا بُرا ہو کہ ہم عمرؓ بن خطاب کے نوکر بن گئے۔ میں نے خطاب اور اس کے بیٹے کو بطحا کی گھاٹیوں میں اُونٹ چراتے دیکھا ہے۔ اُن دنوں اُن کے جسم پر صرف ایک ایک لمبا کُرتہ ہوتا تھا اور عاص بن وائل (یعنی عمروؓ کا باپ) زرتار کمخواب کا لباس پہنا کرتا تھا۔۔۔"

محمدؓ بن مسلمہ نے اُن کی بات کاٹ دی اور کہا:

"عمرؓ کا باپ اور تمہارا باپ دونوں جہنّم کے کندے بن چکے ہیں۔ رہے تم، تو اگر عمرؓ تمہیں گورنر نہ بناتے، تو مکّہ کی کسی گھاٹی میں بکریوں کا دودھ دوہتے نظر آتے۔"

"مجلسوں میں کہی ہوئی باتیں امانت ہوتی ہیں، یہ بات عمرؓ سے مت کہنا۔" عمروؓ نے کہا۔

"ہاں (چونکہ یہ بات محض ذاتیات سے تعلق رکھتی ہے اِس لئے) جب تک عمرؓ زندہ ہیں کسی سے نہیں کہوں گا۔"

پھر محمدؓ بن مسلمہ نے عمروؓ بن عاص کے مال و متاع کا جائزہ لیا اور حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق آدھا مال بیت المال میں داخل کر دیا۔

مصر کے ایک اور گورنر عیاضؓ بن غنم کے بارے میں ایک بار حضرت عمرؓ کو شکایت ملی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور اپنے دروازے پر دربان متعیّن کر رکھا ہے۔ یہ سراسر اس عہد کے خلاف تھا جو حضرت عمرؓ اپنے گورنروں کو مقرر کرتے وقت ان سے لیا کرتے تھے۔ وہ یہ عہد لیتے تھے کہ وہ نہ تو ترکی گھوڑے پر سوار ہوں گے، نہ باریک کپڑے پہنیں گے، نہ چھنا ہوا آٹا کھائیں گے اور نہ دروازے پر دربان رکھیں گے۔ شکایت ملتے ہی محمدؓ بن مسلمہ کو تحقیقات پر مامور کیا۔ وہ مصر پہنچے۔ دیکھا واقعی دروازے پر دربان موجود تھا اور عیاضؓ نے باریک کپڑے زیبِ تن کر رکھے تھے۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا: امیر المؤمنینؓ نے طلب فرمایا ہے۔" میں ذرا زادِ راہ لے لُوں"، محمد بن مسلمہؓ نے کہا "نہیں، اب آپ گھر نہیں جا سکتے"، چنانچہ اسی ہیئت اور لباس میں اُنھیں لئے مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

عیاضؓ نے آگے بڑھ کر سلام کیا: "تم کون ہو؟"، عمرؓ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"آپ کا گورنر، عیاضؓ بن غنم، مصر سے حاضر ہوا ہوں"، عیاضؓ نے جواب دیا۔ عیاضؓ بدوی تھے، گورنر بن کر مصر روانہ ہُوئے تو دبلے پتلے اور سانولے تھے۔ مصر کی آب و ہوا اور آسائشوں نے ان کا رنگ و روپ بدل دیا تھا۔ گورے چٹے اور موٹے ہو گئے تھے۔

"میں نے تمہیں گورنر بناتے وقت کچھ باتوں کا عہد لیا تھا، مگر تم نے اسے پسِ پشت ڈال دیا اور میرے احکامات کی خلاف ورزی کی۔ واللہ میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔"

پھر ایک اُونی چغہ، ایک لاٹھی اور صدقہ و زکوٰۃ کی تین سو بکریاں لانے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل ہُوئی۔ "لو یہ چغہ پہنو، لاٹھی لو اور جنگل میں بکریاں چراؤ۔ دیکھو کسی سائل کو اُن کے دودھ سے نہ روکنا اور یہ بھی جان لو کہ عمرؓ اور اس کے گھر والوں نے زکوٰۃ کی بکریوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، نہ اُن کا دودھ پیا اور نہ گوشت کھایا۔"

عیاضؓ حواس باختہ ہو گئے۔ دم بخود دیکھنے لگے۔ دیکھ کیا رہے ہو؟ میں نے تمہارے باپ کو دیکھا ہے، یہ چغہ اُس کے چغے سے بہتر ہے اور یہ لاٹھی اس کی لاٹھی سے..... چلو اسے

پہنو، باپ دادے کا پیشہ اختیار کرنے میں کیا عار ہے؟"

عیاضؓ کی حواس باختگی کا وہی عالم تھا۔ وہ چُپ چاپ امیر المؤمنین کو دیکھے جا رہے تھے۔ کہاں گورنری کے ٹھاٹھ باٹھ اور کہاں موسم گرما میں اُونی جبّہ پہن کر بکریاں چرانے کی مشقت، اس کا تصوّر بھی اُن کے لئے سوہانِ رُوح تھا۔ "سُنا نہیں تم نے؟ مَیں کیا کہہ رہا ہوں۔" امیر المومنینؓ کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ عیاض اسی طرح سناٹے میں کھڑے تھے۔ امیر المومنینؓ نے تین بار یہی الفاظ دُہرائے۔ تیسری بار عیاضؓ زمین پر گر پڑے۔ "اس سے تو مر جانا بہتر ہے، بے شک میری گردن اُڑا دیں۔"

مگر عمرؓ کا فیصلہ اٹل تھا اور وہ اپنی سزا نافذ کر کے رہے۔ چند روز بعد عیاضؓ کو طلب فرمایا۔ "اگر میں تمہیں اپنے منصب پر بحال کر دوں تو اب تمہارا طرزِ عمل کیسا ہے گا؟" انھوں نے دریافت کیا۔ "امیر المومنینؓ جیسا آپ چاہیں گے؟" عمرؓ نے عیاض کو مصر کی گورنری پر بحال کر دیا۔ عمرؓ کے احتساب نے اُن کے سارے کَس بل نکال دے تھے

ایک بار ایران کے فاتح اور کوفہ کے گورنر سعدؓ بن ابی وقاص کے متعلق خبر ملی کہ انھوں نے اپنی رہائش گاہ میں ڈیوڑھی بنالی ہے اور دربان رکھ لیا ہے۔ محمدؓ بن مسلمہ کو حکم ہوا کہ جاؤ اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دو، کوفہ پہنچتے ہی حکم کی تعمیل کی۔ سعدؓ اندر تھے، شعلے بلند ہوتے دیکھ کر دوسرے دروازے سے نکلے تو محمدؓ بن مسلمہ کو کھڑے پایا۔ سمجھ گئے، امیر المومنینؓ تک شکایت پہنچ گئی اور محمدؓ بن مسلمہ امیر المومنین کے حکم سے آئے ہیں۔ ناچار سعدؓ ڈیوڑھی کو جلتا دیکھتے رہے۔ لیکن سعدؓ کے بارے میں یہی ایک شکایت نہ تھی۔ امیر المومنینؓ کو بتایا گیا تھا کہ سعدؓ ٹھیک طور سے نماز نہیں پڑھاتے، اموال کو مساوی تقسیم نہیں کرتے، عدل نہیں کرتے اور میدانِ جنگ میں لڑتے نہیں۔ محمدؓ بن مسلمہ نے تمام امور کی کھلی تفتیش کی۔ سعدؓ ایسے عظیم سپہ سالار اور بلند پایہ صحابی کو مسجد مسجد لئے پھرے اور بھرے مجمعے سے علانیہ اُن کی سیرت و کردار اور شکایات کے بارے میں پوچھا۔ ہر جگہ لوگوں کا یہی جواب تھا: "ہم نے تو سعدؓ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں پایا، ہم ان کے بجائے کسی اور کو نہیں چاہتے۔" جو لوگ ان سے شاکی تھے، ان سے پوچھا گیا تو وہ بھی کچھ بُرائی بیان نہ کر سکے، چُپ سادھ کر رہ گئے، قسم دلانے پر صرف تین چار آدمیوں نے ان الزامات کی تائید کی۔ حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو مدینہ منورہ میں طلب کر لیا۔ محمدؓ بن مسلمہ نے اپنی رپورٹ پیش کی، حضرت عمرؓ نے خود سعدؓ کا بیان لیا اور تمام مخالف و موافق بیانات کی روشنی میں الزامات کی چھان بین کی۔ سعدؓ پر لگایا جانے والا ہر الزام جھوٹا اور غلط ثابت ہوا۔

محمدؓ بن مسلمہ نے حضرت عمرؓ کے پُورے عہد میں بھرپُور عملی زندگی گزاری۔ وہ اسلامی مملکت کے ایک ممتاز کارکن تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان پر کامل اعتماد تھا۔ ان کے سپرد بڑا کٹھن کام تھا۔ بن لوگوں کے معاملات کی چھان بین اور احتساب کا کام انھیں سونپا گیا تھا، وہ سب ان کے ہم پایہ صحابی اور اسلامی دعوت اور جدّوجہد کے ساتھی تھے، ان میں سے اکثر کے ساتھ ان کے ذاتی تعلقات اور روابط تھے، لیکن انھوں نے جب بھی تحقیق و تفتیش کی ان تعلقات اور روابط کو اپنے اور فرض کے درمیان حائل نہ ہونے دیا۔ بے لاگ تحقیق و تفتیش کی۔ تحقیق کے دوران ایسا رویہ اختیار کرتے جیسے وہ بالکل اجنبی ہوں۔ ان کے ہاں سے پانی تک پینا روا نہ رکھتے۔ تحقیق کر چکتے اور امیر المؤمنینؓ کو اپنی رپورٹ پیش کرتے تو سارے حجابات اُٹھ جاتے۔ فرض کے ہاتھوں کھڑی کی ہوئی اجنبیت کی دیواریں گر جاتیں۔ اسلامی مملکت کے عمّال ان کی فرض شناسی، بے لوثی اور انصاف پسندی سے پوری طرح آگاہ تھے چنانچہ ان کے طرزِ عمل کے بارے میں کبھی کوئی گلہ ان کی زبان پر نہ آتا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کے شب و روز کیا تھے؟ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے؛ البتہ اس کا دھندلا سا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مفسدین کے پھیلائے ہوئے فتنے کے اسباب کی تحقیقات کے لیے جو حضرات حضرت طلحہؓ کے مشورے سے اسلامی مملکت کے مختلف صوبوں میں بھیجے ان میں ایک محمدؓ بن مسلمہ بھی تھے۔ انھیں کوفہ بھیجا گیا تھا۔ پھر جب مصر، کوفہ اور بصرہ کے مفسدین حاجیوں کا لبادہ اوڑھ کر دارالخلافہ پر چڑھ آئے تو حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے علاوہ جن دوسرے صحابی کی مدد سے انھیں پہلی مرتبہ واپس کیا، وہ محمدؓ بن مسلمہ تھے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اُن سے اپنے پُرامن عہدِ خلافت میں بھی اہم کام لیتے رہے ہوں گے۔

حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے تو مدینہ منورہ میں موجود دوسرے تمام ممتاز صحابہ کی طرح محمدؓ بن مسلمہ نے بھی حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی؛ تاہم جب خانہ جنگی چھڑ گئی تو وہ بالکل غیر جانبدار ہو گئے۔ انھوں نے اپنی تلوار ایک پتھر پر مار کر توڑ ڈالی اور شہر چھوڑ کر ربذہ ہی میں گوشہ نشین ہو گئے۔ کسی نے پوچھا تو فرمایا: یہ تلوار مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ میں اس سے اللہ کی راہ میں جہاد کروں، لیکن جب دیکھوں کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں تو اس کو پتھر پر مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں، اپنی زبان اور ہاتھ کو روکے رکھوں، یہاں تک کہ طبعی موت آ جائے یا کوئی خطاکار مجھے قتل

کر ڈالے۔" اس کے بعد لکڑی کی تلوار بنالی اور اُسے نیام میں ملفوف کر کے گھر کی دیوار پر لٹکا دیا۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا ہے؟ فرمایا: "صرف ڈرانے کے لئے۔"

حرّہ کی جنگ کے بعد جب شامی فوجیں مدینہ طیبہ میں داخل ہوئیں اور قتلِ عام کا بازار گرم کیا تو کچھ شامی فوجی ان کے گھر میں بھی داخل ہو گئے اور انھیں شہید کر ڈالا۔ شہادت کے وقت ۷۰ برس کے تھے۔ محمدؓ بن مسلمہ تقریباً ۳۱ برس کے تھے جب انھوں نے اسلام قبول کیا۔ مُصعبؓ بن عمیر کی مدینہ میں آمد کے بعد اَوس کے جو لوگ پہلے پہل مُسلمان ہوئے ان کی صفِ اوّل میں شامل تھے۔ اُس وقت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک جدّوجہد کے ہر مرحلے میں والہانہ حصّہ لیا، وہ سوائے تبوک کے ہر معرکے میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھامے رہے۔ بہت سے سریوں میں حصّہ لیا۔ دو مہمّوں کی قیادت بھی کی۔ وہ اپنے بیٹوں پوتوں اور دوسرے نوجوانوں سے کہا کرتے تھے: لڑکو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن مقامات پر تشریف لے گئے اور جہاں جہاں آپؐ نے قیام فرمایا۔ ان کے بارے میں مجھ سے پوچھو۔ میں کسی غزوہ[1] میں کسی سے پیچھے نہیں رہا سوائے تبوک کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھے پیچھے مدینے میں چھوڑا تھا۔ سرایا کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو تو بھی مجھ سے پوچھو۔ کوئی سریّہ[2] ایسا نہیں جس میں مَیں نے حصّہ نہ لیا ہو یا اس کی روانگی اور واپسی کے احوال مجھ سے پوشیدہ رہے ہوں"۔۔۔۔ محمدؓ بن مسلمہ ان لوگوں میں سے تھے جو حق کو پسند کرتے ہیں۔ حق کی خاطر جیتے اور مرتے ہیں، حق ہی کے لئے کسی سے محبّت کرتے ہیں اور حق کی بنیادوں پر نفرت کرتے ہیں، وہ حق پرست بھی تھے اور حق گو بھی۔ حضرت عمرؓ کے منہ پر بے لوث اور حق بات کہنے سے بھی نہ جھجکتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بنی حارثہ کے کنویں پر گئے۔ وہاں محمدؓ بن مسلمہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھیں دیکھ کر کہنے لگے: "محمدؓ! آپ کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟" "اچھی رائے ہے" محمدؓ بن مسلمہ نے جواب دیا۔ "وہ رائے جو میں آپ کے لئے پسند کرتا ہوں اور آپ کی بھلائی چاہنے والا ہر شخص پسند کرتا ہے۔ آپ اموال جمع کرنے میں طاقتور ہیں، ان سے دامن بچاتے ہیں، انھیں انصاف کے ساتھ لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اگر آپ ٹیڑھے ہو جائیں تو ہم آپ کو اس طرح سیدھا کر دیں گے جیسے تیر کو ثقاف (سیدھا کرنے والا اوزار) میں سیدھا کیا جاتا ہے۔"

عمرؓ کا چہرہ چمک اٹھا، بولے: "اللہ حمد و ستائش کا سزاوار ہے کہ میرے ارد گرد ایسے لوگ ہیں اگر میں ذرا بھی ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دیں۔"

---

[1] غزوہ وہ جنگی مہم جس کی قیادت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس فرمائی۔
[2] سریہ وہ فوجی اور تربیتی مہم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی صحابی کی کمان میں بھیجی۔

(۵)

ایک مثالی گورنر

سعید بن عامر

اُنھیں دنیا کے سروسامان سے کوئی واسطہ نہ تھا، فقر وغنا محبوب تھا۔ گورنر ہونے کے باوجود فقر و درویشی کی زندگی بسر کرتے، کوئی اجنبی انھیں پہچان نہ پاتا کہ یہ اس ملک کے گورنر ہیں۔ رعایا ان سے خوش تھی، کہ وہ گلہ بانی کے ساتھ ساتھ گلہ کی غمخواری بھی کرتے تھے۔

(۱)

سعیدؓ ابن عامر تھے تو حمص کے گورنر، مگر اپنی وضع قطع، طور طریق اور سادگی سے بالکل عام آدمی نظر آتے۔ نقیب و چاؤش اور خدم و حشم کا تو عہدِ عمرؓ میں کوئی گورنر تصور بھی نہ کرسکتا، حکومت کی طرف سے جو جائز مراعات گورنروں اور حکام کو حاصل تھیں ان سے بھی فائدہ نہ اٹھاتے۔ گلی کوچوں میں پا پیادہ پھرتے، عام مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے اور اُن کے دُکھ درد میں شریک ہوتے، اپنا بوجھ خود اُٹھاتے اور رعایا کی خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ امیر المومنین عمرؓ بن خطاب اپنے گورنروں پر کڑی نظر رکھتے۔ ان کے بارے میں ذرا سی شکایت بھی ملتی، تو فوراً توجہ دیتے اور باز پُرس کرتے۔ انھیں خبر ملی کہ سعیدؓ پر آسیب کا اثر ہے۔ آپؓ نے تحقیقات کے لئے انھیں فوراً دارالخلافت میں طلب کرلیا۔ سعیدؓ اس شان سے مدینۃ النبیؐ پہنچے کہ ہاتھ میں عصا تھا اور کندھے پر ایک پیالہ لٹک رہا تھا۔ حضرت عمرؓ حیرت میں ڈوب کر رہ گئے۔ پُوچھنے لگے: "بس یہی سروسامان آپ کے پاس ہے؟"

"امیر المومنینؓ! ان کے علاوہ اور کس چیز کی ضرورت ہے؟ پیالے میں کھاتا ہوں اور عصا پر سفر میں زادِ راہ لٹکا لیتا ہوں۔"

"میں نے سُنا ہے آپ پر آسیب کا اثر ہے۔" امیر المؤمنینؓ نے کسی تاخیر کے بغیر اصل موضوع چھیڑ دیا۔ جس کے لئے انھوں نے سعیدؓ کو طلب کیا تھا۔

"حاشا وکلّا" سعیدؓ نے جواب دیا "اللہ مجھے آسیب یا جنوں سے محفوظ رکھے! میں ہر نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی یہ دُعا التزام کے ساتھ پڑھتا ہوں۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَیِّئِ الْاَسْقَامِ"

(اے اللہ میں برص، کوڑھ، جنون اور تمام دوسری بُری بیماریوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

"پھر مجھے یہ کسی خبر ہی ہے کہ تم پر غشی کے دَورے پڑتے ہیں؟" امیر المؤمنین نے جرح کے انداز میں پوچھا۔

"ہاں، یہ سچ ہے" سعیدؓ نے جواب دیا۔ "مجھے غشی کے دَورے پڑتے ہیں لیکن خدانخواستہ کسی جنون یا آسیب کی وجہ سے نہیں ——— امیر المؤمنینؓ! اس کے پیچھے ایک بہت المناک واقعہ کارفرما ہے۔ خبیبؓ بن عدی کو جب مکّے میں قریش نے بدر کے حارث کے بدلے میں صلیب پر لٹکایا، تو اس کا تماشا دیکھنے والوں میں مَیں بھی شامل تھا۔ ہاں امیر المؤمنینؓ! اُس وقت مَیں بھی اسے تماشا سمجھتا تھا۔ کفر کی پٹی میرے دل کی آنکھوں پر بندھی تھی۔ ہم بڑے دھوم دھڑکے کے ساتھ تنعیم کے میدان میں جمع ہوئے تھے جہاں صلیب گاڑی گئی تھی۔ خبیبؓ نے پھانسی پانے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی اور ہم اُسے بطور تماشا دیکھتے رہے۔ سلام پھیر کر انھوں نے کہا میرا جی چاہتا تھا زندگی کی یہ آخری نماز اتنی طویل پڑھوں کہ وقت کی پہنائیاں اس میں گم ہو کر رہ جائیں، مگر اس خیال سے مختصر کر دی کہیں تم یہ نہ سمجھو میں موت سے ڈر گیا ہوں۔

امیر المؤمنینؓ! ان کی اس بات پر مجمعے نے قہقہہ لگایا اور میرا قہقہہ شاید سب سے بلند تھا۔ پھر جب اُنھیں پھانسی پر لٹکایا گیا، تو انھوں نے کہا میرا مُنہ خانۂ کعبہ کی طرف کر دو۔ قریش نے اُن کا منہ کعبہ کی بجائے مشرق کی جانب پھیر دیا۔ اس پر انھوں نے بُرے درد ناک شعر پڑھے۔ امیر المؤمنینؓ! وہ شعر آپ کو بھی تو یاد ہوں گے؟ ایک شعر تھا (ترجمہ) میں جب اللہ کی راہ میں مارا جا رہا ہوں، تو پھر اس بات کی کیا فکر کہ کس کروٹ مارا جاتا ہوں۔ امیر المؤمنینؓ! خبیبؓ شعر پڑھتے پڑھتے پھانسی پر چڑھ گئے اور بڑی جوانمردی سے جان دیدی۔ میرا دل اس منظر سے بہت متاثر ہوا۔ قہقہے سینے میں گھٹ کر رہ گئے۔ لوگوں کا ہجوم قہقہوں اور پھبتیوں کے درمیان واپس ہُوا، تو میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ لیکن کھویا کھویا۔ یُوں محسوس ہوتا تھا میں اپنی کوئی عظیم ترین متاع تنعیم کے میدان میں گم کر آیا ہوں۔

وہ رات مَیں نے بہت کرب میں گزاری۔ سُولی کی طرف بڑھتے ہوئے خبیبؓ کا پُرنور چہرہ بار بار آنکھوں میں پھرنے لگتا۔ پھر جانکنی کا منظر سامنے آتا، تو ایسے لگتا کہ میرے اعصاب ابھی چیخ کر ٹوٹ جائیں گے۔ صبح مجھے پہلی بار غشی کا دَورہ پڑا۔ اسلام لانے سے پہلے تو یہ دورہ کبھی کبھا

بڑتا کہ میں خبیبؓ کے تصور سے بچنے کے لئے اپنا دھیان مختلف کاموں میں بٹائے رکھتا، لیکن جب ایمان کی لذّت سے بہرہ یاب ہُوا، تو خبیبؓ کی موت کا منظر پھر بار بار نگاہوں میں پھرنے لگا۔ اکثر یہی خیال آتا کیا اس سعادت کو اپنانے کے جُرم میں ہم نے اس مردِ خدا کو پھانسی دی تھی؟ اُس نے اگر حارث کو قتل کیا تھا، تو اس میں اُس کا کیا قصور تھا؟ حارث خود خبیبؓ اور اُن کے ساتھیوں سے لڑنے گیا تھا اور جنگ کے میدان میں آدمی یا تلواروں کا چارہ خود بنتا ہے یا دوسروں کو بناتا ہے۔ جنگ کا انتقام قید کی حالت میں کسی سے لینا کہاں کی جوانمردی تھی؟ امیر المؤمنین! بس اسی قسم کے خیالات میرے ذہن میں ہلچل مچانے لگتے اور اب یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ جب بھی وہ منظر سامنے آتا ہے، تو غشی سی طاری ہو جاتی ہے۔"

تحقیقات کے بعد حضرت عمرؓ نے سعیدؓ کو اپنے منصب پر واپس بھیجنا چاہا، سعیدؓ نے انکار کر دیا۔ لیکن عمرؓ انھیں مجبور کر کے حمص بھیجتے۔

۲

امیر المؤمنین عمر بن خطاب سے سعیدؓ کی دوسری مرتبہ ملاقات حمص میں ہوئی جب وہ بیت المقدس کا معاہدہ کرنے شام گئے۔ حمص پہنچ کر اپنے معمول کے مطابق لوگوں کو جمع کیا اور پوچھا "تمہارا گورنر کیسا ہے؟"

"امیر المؤمنین! ہمیں تین شکایتیں ہیں۔" مجمع میں ایک شخص اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"ہاں کہو، کیا شکایتیں ہیں؟"

"جب تک دن چڑھ نہیں جاتا سعیدؓ گھر سے نہیں نکلتے۔" اس شخص نے کہا۔

"یہ تو واقعی سنگین بات ہے۔" عمرؓ نے کہا۔

"دوسری شکایت کیا ہے؟" انھوں نے پوچھا۔

"دوسری یہ کہ رات کے وقت کسی فریادی کی پکار نہیں سنتے۔" اس نے کہا۔

"یہ تو اور بھی بڑی بات ہے۔" امیر المؤمنین نے فرمایا "اور تیسری؟"

" مہینے میں ایک دن تو بالکل غائب رہتے ہیں۔"

"یہ بھی بڑی اہم بات ہے۔" امیرالمؤمنینؓ نے کہا۔ سعیدؓ بن عامر کو طلب فرمایا اور انھیں لوگوں کی شکایات سے آگاہ کیا۔ سعیدؓ نے ایک ایک بات کا جواب دیا۔

پہلی شکایت کے جواب میں انھوں نے کہا۔ "واللہ مجھے اس کا تذکرہ پسند نہیں تھا۔ لیکن اب یہ شکایت بن کر سامنے آ ہی گئی ہے تو بات یہ ہے کہ میری بیوی کے پاس کوئی خادمہ نہیں، مجھے اس کا ہاتھ بٹانا پڑتا ہے۔ میں آٹا گوندھتا ہوں، پھر اس کے خمیر ہونے تک انتظار کرتا ہوں، خمیر ہو چکتا ہے تو روٹی پکاتا ہوں، پھر وضو کرتا ہوں اور نماز سے فارغ ہو کر گھر سے نکلتا ہوں۔"

" دوسری شکایت کا کیا جواب ہے آپ کے پاس؟" امیرالمؤمنینؓ نے کہا "آپ رات کے وقت لوگوں کی بات نہیں سنتے۔"

" یہ بات بھی خفیہ رہتی تو بہتر تھا۔ مَیں نے دن خلقِ خُدا کے لئے اور رات اللہ کے لئے وقف کر رکھی ہے۔" سعیدؓ بن عامر نے کہا۔

" اور تیسری شکایت؟"

" میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے جو کپڑے دھوئے اور نہ دوسرے کپڑے ہیں، چنانچہ مہینہ میں ایک بار کپڑے دھوتا ہوں اور جب تک خشک نہیں ہو جاتے گھر ہی میں بیٹھے رہتا ہوں، پھر دن کے آخری حصّے میں باہر نکلتا ہوں۔"

ہر شکایت بے بنیاد ثابت ہوئی تھی، سعیدؓ بن عامر کی زندگی کا ایک ایسا رُخ سامنے آیا تھا جس کی آج تک کسی کو خبر نہ تھی شکایت کرنے اور سُننے والے سب دم بخود رہ گئے تھے۔ صرف امیرالمؤمنینؓ کا چہرہ تھا جو دو تین لمحوں کے لئے جگمگا اٹھا۔ "خدا کا شکر ہے اُس نے میری رائے کو غلط ثابت نہیں ہونے دیا۔" انھوں نے دل ہی دل میں کہا ——— مغا جگمگاتے چہرے پر سورج کی پرچھائیاں پھیل گئیں۔ "سعیدؓ حکومت کی طرف سے ملنے والے وظیفہ کا کیا کرتے ہیں؟" ایک سوال ان کے دل میں ابھر آیا۔ اور جلد ہی اس کا جواب مل گیا۔

(۳)

امیرالمؤمنینؓ نے حمص کے افسرِ خزانہ سے غریبوں اور محتاجوں کی فہرست طلب کی تاکہ ان کی معاش کا انتظام کیا جائے۔ فہرست تیار ہو کر پیش کر دی گئی۔ عمرؓ نے اس کا جائزہ لیا۔ سعیدؓ بن عامرؓ کا نام پڑھ کر ٹھٹھک گئے۔ دریافت کیا۔ "یہ سعید بن عامر کون صاحب ہیں؟"

"امیرالمؤمنینؓ! ہمارے گورنر۔" سکریٹری نے جواب دیا۔

"گورنر اور فقیر محتاج! وہ وظیفے کا کیا کرتے ہیں؟" حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ ان کے لب لہجے سے حیرت صاف عیاں تھی۔

"اُسے ہاتھ تک نہیں لگاتے۔" سکریٹری نے کہا۔

"ہاتھ تک نہیں لگاتے..... ہاتھ تک نہیں لگاتے"..... امیرالمؤمنینؓ زیرِ لب بار بار دہرانے لگے۔

عمرؓ کا زہد و ورع اسلامی سلطنت کے گوشے گوشے میں مشہور تھا، لیکن سعید بن عامر تو ان سے بھی بازی لے گئے تھے۔ بے اختیار آنسو اُبل پڑے۔ پھر سنبھلے اُسی وقت ایک ہزار دینار کی تھیلی سعیدؓ کے پاس بھیجی اور کہلوا بھیجا: "ان سے اپنی ضروریات پوری کیجئے۔"

سعیدؓ کی حالت دیدنی تھی، تھیلی دیکھتے ہی زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے الفاظ جاری ہو گئے، جیسے کسی بہت بڑے حادثے سے دوچار ہو گئے ہوں۔ بیوی کے کانوں میں آواز آئی، تو پوچھا: "خیریت ہے؟ خدانخواستہ امیرالمؤمنین کو کوئی گزند تو نہیں پہنچا۔"

"اس سے بڑھ کر حادثہ پیش آیا ہے۔" سعیدؓ نے جواب دیا۔

"کیا سرحدوں کے بارے میں کوئی اطلاع پہنچی ہے؟" بیوی نے پوچھا۔

"اس سے بھی بڑا واقعہ پیش آگیا ہے۔" سعیدؓ کا جواب تھا۔

بیوی بدحواس ہو گئیں اور بولیں: "کیا قیامت آگئی؟"

"نیک بخت! قیامت سے بھی زیادہ خطرناک معاملہ ہے۔" انھوں نے کہا۔

"آخر قصّہ کیا ہے؟" بیوی نے دریافت کیا۔ بدحواسی کی جگہ انھیں پریشانی نے آلیا تھا۔

"دنیا نے اپنی فتنہ سامانیوں کے ساتھ مجھے آن گھیرا ہے۔ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت میں رہا تو دنیا مجھے نہ گھیر سکی، پھر میں ابوبکرؓ کے ساتھ رہا، تب بھی ایسا نہ ہوا، مگر عمرؓ کی صحبت میں یہ حادثۂ عظیم پیش آگیا ہے۔ میری زندگی کے سب سے بُرے دنوں نے مجھے آلیا ہے۔"

"کس دنیا کی بات کر رہے ہیں آپ؟ یہاں تو وہی شب و روز ہیں۔"

"امیرالمؤمنینؓ نے ایک ہزار دینار بھیجے ہیں اور قسم دے کر کہا ہے کہ مجھے یہ رقم تمہارے اور اپنے اوپر خرچ کرنا ہوگی۔ مفلس مہاجر امیروں سے چالیس برس پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔ بخدا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس سُرخ اونٹ ہوں اور میں ان کی وجہ سے جنّت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ میں شامل ہونے سے محروم ہو جاؤں ـــــ تم شاید پسند نہ کرو۔"

"میری طرف سے بے خوف رہیے اور اس کا کوئی تدارک کیجیے۔" بیوی نے کہا۔

اور سعیدؓ بن عامر نے اس کا تدارک ڈھونڈ لیا۔ رقم تو بڑے میں ڈال کر مکان کے ایک کونے میں پھینک دی اور ساری رات اپنے خالق و مالک کے حضور قیام و رکوع و سجود میں گزار دی۔ اگلی صبح رقم زنبیل میں ڈالی اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور باب رستن تک پہنچے تھے کہ اسلامی افواج کا ایک دستہ اتفاق سے اِدھر سے گزرتا دکھائی دیا اور سارا روپیہ اس کے حوالے کر دیا۔ گھر واپس آئے تو پہلے کی طرح ہلکے پھلکے اور فکر و تردّد سے پاک حسین و جمیل دنیا کی فتنہ سامانیوں کو انھوں نے اپنے دامن سے جھٹک کر دُور پھینک دیا تھا۔

④

سعیدؓ بن عامر غزوۂ خیبر سے پہلے مشرّف باسلام ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ سب سے غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے، پھر حق و باطل کے تمام

معرکوں ـــــ فتح مکّہ، حنین، تبوک وغیرہ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں شام کی جنگوں میں حصّہ لیا۔ رومی افواج یرموک کے میدان میں جمع ہوئیں اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے دارالخلافت سے کمک طلب کی تو امیرالمؤمنین عمرؓ نے سعید بن عامر کو ایک ہزار جانباز دے کر بھیجا ان کی تیغ جوہر دار نے جنگ کا پانسہ بدلنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ قنسرین کی جنگ میں بھی سعیدؓ نے شجاعت کے عَلَم گاڑے۔ اور کئی دوسرے شہروں کی فتح میں بھی سرگرمی سے شریک رہے۔ شام پر اسلامی پرچم لہرانے لگا تو سعیدؓ مدینہ منوّرہ چلے آئے۔ اب گھوڑے کی پیٹھ کے بجائے دن رات کا زیادہ وقت سجّادے پر عبادت میں گزرتا۔

حمص کے گورنر عیاضؓ بن غنم کا انتقال ہُوا تو ان کی جگہ پُر کرنے کے لئے امیرالمؤمنین عمرؓ بن الخطاب کی نگاہِ انتخاب سعیدؓ پر پڑی۔ سعیدؓ تو کسی صُورت راضی نہ ہوتے تھے؛ تاہم امیرالمؤمنینؓ کے اصرار کے آگے سپر انداز ہونا پڑا۔ امیرالمؤمنینؓ نے انھیں گورنر مقرر کرتے وقت جو فرمان جاری کیا اس میں انھیں اللہ سے ڈرنے اور اللہ کے کام میں تگ و دَو کرنے اور اس کا حق ادا کرنے کی نصیحت کی۔ نیز حکم دیا کہ وہ امورِ مملکت پُوری دیانت، خدا ترسی، صدق شعاری اور فرض شناسی کے ساتھ انجام دیں، خراج مقرر کرنے میں نرمی برتیں اور رعایا کے ساتھ شفقت و محبّت سے پیش آئیں۔ نیز وہ عہد لیا جو امیرالمؤمنینؓ ہر گورنر اور حاکم کو مقرر کرتے وقت لیا کرتے تھے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا، باریک لباس نہیں پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا اور دروازے پر دربان نہیں رکھے گا۔ سعیدؓ نے اس نصیحت اور احکام اور عہد و پیمان پر پُورا پُورا عمل کیا۔

سعیدؓ بڑے ہی عابد و زاہد تھے، گورنر ہونے کے باوجود ان میں شان و شوکت نام کی کوئی شے نہ تھی، فقیرانہ شان سے زندگی گزارتے، کسی اجنبی کے لئے امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ یہ گورنر ہیں یا کوئی مسکین۔ اس عہدے کے لحاظ سے نہایت معقول تنخواہ ملتی تھی، لیکن خود اپنے اور اہل و عیال پر صرف چند درہم خرچ کرتے باقی سب رقم اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے، بیوی پوچھتیں: "باقی رقم کہاں ہے؟" تو فرماتے "قرض دے دی ہے۔" بڑی مشکل سے گزر بسر ہوتی،

لیکن ہمیشہ شاداں و فرحاں رہتے۔ لوگ کہا کرتے "آخر آپ کے اہل و عیال کا بھی تو آپ پر حق ہے، کچھ ان کا بھی خیال رکھا کریں۔" جواب میں فرماتے:

"مجھے دنیا اور اس کی سروسامانی سے کوئی سروکار نہیں، مجھے تو فقر و غنا محبوب ہے۔ میں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ تہی دامن اہلِ ایمان دوسرے لوگوں سے ستر برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔"

امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے اپنے گورنروں اور عمّال کا جو معیار بنا رکھا تھا، سعیدؓ بن عامر اس پر پُورا اترتے تھے۔ رعایا سے ہمدردی اور ان کی غمخواری و غمگساری میں اپنے آپ کو مٹا ڈالا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ لوگ آپ کے دل و جان سے گرویدہ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا! "سعیدؓ، شام والے تم سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں؟" جواب دیا:

"امیر المؤمنینؓ میں گلہ بانی کے ساتھ گلّہ کی غمخواری بھی کرتا ہوں۔"

اور فی الواقع وہ عہدِ عمرؓ کے ایک مثالی "گلہ بان" تھے۔ چالیس برس کے تھے کہ انتقال ہوگیا۔ یُوں جس طرح ہلکے پھلکے زندگی بسر کی تھی اسی طرح مختصر مسافرانہ زندگی کا ہلکا پھلکا بار اُٹھائے بے سروسامانی کی حالت میں اپنے اللہ سے جا ملے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

MARKAZI MAKTABA ISLAMI PUBLISHERS
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
PN 767